راشدہ رفعت

ایک عید خوشبو سی

"یہ معمولی سا تحفہ اس قابل تو نہیں کہ اس حسین مکھڑے کی نذر کیا جائے مگر فی الحال میری طرف سے یہ ہی قبول کیجئے۔" جگر جگر کرتی ڈائمنڈ کی انگوٹھی دلہن کی انگلی میں ڈال کر اس نے دلہن کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اوپر کیا۔

"تم۔" اگلے ہی پل دولہا حیرت اور صدمے کی زیادتی سے چیخ پڑا۔ دلہن نے استہزائیہ انداز میں آنکھیں گھما گھما کر اسے دیکھا اور اس سے پہلے وہ بھی کوئی ڈائیلاگ بولتی کمرشل بریک آ گیا۔

"لو بھلا بتاؤ۔ اتنا ذرا سا سین اور پھر وقفہ۔" دادی

جان جی بھر کر بد مزا ہوئی تھیں۔

"اور دیکھیں تو دادی جان! دولہن نے گھونگھٹ تک تو نکال نہیں رکھا تھا صرف سر جھکا کر بیٹھی تھی پھر بھی اس ڈفر کو پتا نہ چل سکا کہ یہ ستارہ نہیں بلکہ ... ہے۔" سارہ نے بھی اظہار خیال کیا۔

"تو اب گھونگھٹ کا فیشن ہی کہاں رہا ہے بچے! اب دولہنیں بھی گھونگھٹ نکالنے کی روادار نہیں۔ ایک ہمارا زمانہ تھا۔ شادی شدہ عورتیں سسرال میں سارا دن گھونگھٹ نکالے پھرتی تھیں جیٹھ دیور ... کے سامنے بے پردہ ٹھوڑی پھرا کرتے تھے۔"

"گھر کی ساری عورتیں گھونگھٹ نکالتی تھیں؟" سارہ نے حیرت سے استفسار کیا۔

"اور نہیں تو کیا۔ تین میری جیٹھانیاں تھیں ... دیورانیاں سب کے لیے ایک ہی اصول اور ... تھا۔" جہاں آرا بیگم تصور کی آنکھ سے پچھلا وقت ... میں لاتے ہوئے بولی تھیں۔

"تو دادی جان! پھر جو دادا لوگ تھے وہ اپنی اپنی بیوی ... کو پہچانتے کیسے تھے؟ آئی مین آپ سب دیورا... جیٹھانیاں تو پردے میں رہتی تھیں۔" سارہ نے ... اشتیاق سے دریافت کیا۔

"تو انہوں نے پہچان کر کرنا بھی کیا تھا بٹی! ... بہنوں کے سامنے بیوی کو مخاطب کرنا انتہائی معیو... بات تصور کی جاتی تھی۔" وہ بے حد اطمینان ... بولیں۔

"امیزنگ دادی جان! یعنی میاں بیوی نے کوئی ضروری بات کرنی ہو تو رات کا انتظار کرنا پڑتا تھا؟"

اس نے تو سادگی سے پوچھا تھا مگر پاس بیٹھی رفیعہ بیٹی کے "بھولپن" پر جزبز ہو کر رہ گئیں۔ اپنی ساس سے ان کے مثالی تعلقات سہی لیکن ان کا اس بات پر ان سے سخت نظریاتی اختلاف تھا۔ ایک طرف وہ بار بار اپنے زمانے کا حوالہ دیتی تھیں پرانی روایات 'اقدار' شرم و حیا وغیرہ کے قصے سناتے نہ تھکتیں اور دوسری طرف پوتی کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی کے انتہائی بے سروپا ڈرامے بہت شوق سے بیٹھ کر دیکھتیں بلکہ دونوں دادی پوتی ڈراموں پر سیر حاصل تبصرہ فرماتے ہوئے بات کو کہیں سے کہیں لے جاتیں۔

آج کل رمضان المبارک کی وجہ سے افطاری کے بعد ٹی وی لاؤنج میں محفل نہ جمتی تھی بلکہ نماز مغرب کے بعد سارہ کچن سمیٹتی اور عشاء کی اذان ہوتے ہی گھر کی تینوں خواتین کا نماز اور تراویح کے بعد تو بس بستر پر پڑنے کا ہی دل کرتا۔ ہاں چونکہ صبح کا وقت فراغت کا ہوتا تھا سو دونوں دادی پوتی نشر مکرر میں اپنی پسند کے ڈرامے اطمینان سے بیٹھ کر دیکھتیں۔ رفیعہ کو ان بے سروپا ڈراموں سے کوئی سروکار نہ تھا البتہ ساس کی وجہ سے وہ بیٹی کو زیادہ نہ ٹوکتی تھیں۔ ہاں کبھی کبھار ان کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو جاتا جیسا اس وقت ہوا تھا۔

"اٹھو سارہ! سنتی نہیں ہو گیٹ پر بیل ہو رہی ہے۔ جاؤ جا کر دیکھو۔" انہوں نے اسے تقریباً" ڈپٹتے ہوئے مخاطب کیا تھا۔

"اس ٹائم کون ہو گا امی! وہی شیطان بچے ہوں گے۔ روزوں میں بھی چین نہیں لینے دیتے۔" سارہ بڑبڑاتے ہوئے پاؤں میں سلیپر ڈال کر باہر نکلی۔ کچھ دن ہوئے پڑوس میں ایک نئی فیملی آ کر آباد ہوئی تھی جوائنٹ فیملی سسٹم تھا اور ہر عمر اور ہر سائز کے بے شمار شرارتی بچے... جن کا محبوب مشغلہ پڑوسیوں کی گھنٹی بجا کر بھاگ جانا تھا۔ محلے والے عاجز آ گئے تھے ان سے۔ ایک دو بار پکڑے گئے مگر ایسی معصوم شکل بنا کر "سوری" کرتے کہ آگے سے کوئی کچھ کہہ نہیں پاتا۔

لیکن آج سارہ نے سوچ لیا تھا کہ اگر ملزم موقع واردات پر پکڑا گیا تو وہ حشر نشر کر دے گی۔ دبے پاؤں چلتی وہ گیٹ کی طرف بڑھی اور اتنے میں ہی دوبارہ بیل ہوئی۔

"بچو جی! آج تو میں تمہارا قیمہ کر دوں گی۔" اس نے دھاڑ سے دروازہ کھولا تھا۔

"اگر آج افطاری میں آلو' قیمہ بنانے کا پروگرام ہے تو بتاؤ۔ میں بازار سے لا دیتا ہوں۔ میرا کیا قصور کہ میرا قیمہ بنانے کا ارادہ باندھ رہی ہو۔" سعد مسکراتے ہوئے اندر آیا تھا۔

"مجھے کیا پتا تھا کہ تم ہو' میں تو سمجھی تھی کہ پڑوس کے شرارتی بچے ہیں۔" وہ بنا شرمندہ ہوئے ہنستے ہوئے اس کے پیچھے ہو لی۔

"کون ہے سارہ؟" اتنے میں رفیعہ بھی لاؤنج سے باہر نکلی تھیں۔

"السلام علیکم چچی!" سعد نے انہیں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام جیتے رہو۔" انہوں نے بہت خوش دلی سے جواب دیا۔ اپنے جیٹھ کا یہ بیٹا انہیں بہت عزیز تھا اور کیوں نہ ہوتا' اس سے ان کی اکلوتی لاڈلی کا نصیب جڑنا تھا۔ یہ فیصلہ دونوں کے بچپن میں ہی جہاں آرا بیگم نے کیا تھا اور فریقین اس پر راضی تھے۔ سارہ اور سعد بھی اس حقیقت سے واقف تھے مگر دونوں جانب سے نہ کبھی محبت کا اظہار ہوا تھا نہ ایک دوسرے کے لیے اپنے دلوں میں چھپی بے پناہ چاہت کا اقرار' بنا کچھ کہے سنے ہی دونوں ایک دوسرے کے دل کا حال جانتے تھے اور اپنے بڑوں کے کیے گئے اس فیصلے سے پوری طرح مطمئن اور شاداں۔

"آؤ سعد بیٹا! بہت دن بعد چکر لگایا۔" رفیعہ نے محبت سے پوچھا۔

"نہیں چچی جان! روزوں کی وجہ سے گھر سے ہی نہیں ہوتا بس گھر سے آفس اور آفس سے گھر۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ارے میرا بچہ آیا ہے۔" جہاں آرا بیگم بھی اس کی آواز سن کر باہر نکلی تھیں۔ سعد نے انہیں سلام

کے ان کے آگے سر جھکایا ہمیشہ کی طرح جہاں آرا بیگم نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر پیشانی کا بوسہ لیا تھا۔

"جتنی محبت آپ اس سعد سے کرتی ہیں۔ کبھی مجھ پر تو ایسا پیار نہیں آیا آپ کو۔" پیار کے اس اظہار پر سارہ کے لبوں سے بے ساختہ شکوہ بر آمد ہوا تھا۔

"تم ہمیشہ کی طرح جل گئیں۔ بھئی میں پہلا پہلا پوتا ہوں دادی جان کا۔ مجھ سے زیادہ پیار ہے انہیں۔" سعد نے مسکراتے ہوئے اسے چڑایا تھا۔

"ارے نہیں' یہ بھی تو میری پہلی پہلی پوتی ہے۔ اس سے بھی کم پیار تو نہیں مجھے۔" جہاں آرا بیگم نے جھٹ اسے ساتھ چمٹایا۔

سارہ نے بڑی اتراتی ہوئی نگاہوں سے سعد کو دیکھا تو وہ ہنس پڑا۔ رفیعہ بھی سارہ کے بچپنے پر مسکرا دیں۔

"اچھا دادی جان کی چہیتی! اب دادی کی جان چھوڑو میں بہت مشکل سے دو گھنٹے کا آف لے کر دادی جان کو لینے آیا ہوں۔"

"یہ فاؤل ہے سعد! جب یہ طے ہوا تھا کہ آدھا رمضان دادی جان ہماری طرف گزاریں گی اور باقی آدھا تمہاری طرف تو تم تیرہویں روزے کو ہی انہیں لینے کس طرح آ گئے؟"

"دو دن سے کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"تمہیں فرق نہیں پڑتا ہو گا اتنے ڈھیر سارے لوگ ہیں تمہارے گھر' مجھے تو دو دن کیا دو گھنٹوں سے بھی بہت فرق پڑتا ہے۔" وہ روہانسی ہوئی۔ کبھی کبھار اسے اپنے اکلوتے پن کا شدت سے احساس ہوتا تھا ایسے ہی تو دادی جان اس کی گہری سہیلی نہ تھیں۔ کتنا ہی لگتا تھا اس کا ان کی وجہ سے مگر یہ سعد کا بچہ کبھی بھی دادی جان کو دس پندرہ دن سے زیادہ یہاں رہنے ہی نہ دیتا تھا دونوں کے درمیان لڑائی کی واحد وجہ یہ ہی بنتی تھی کہ دونوں جہاں آرا بیگم پر پورا پورا حق جتاتے تھے۔

"میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ دادی جان کا بیگ تیار کرو اور تم ہو کہ ان سے چمٹی کھڑی ہو۔ مجھے انہیں گھر چھوڑ کر واپس آفس بھی جانا ہے۔"

"دیکھو سعد! روزوں میں اگر دادی جان..." اس نے اس بار لجاجت سے کچھ کہنا چاہا تھا مگر سعد نے اس کی ادھوری بات سمجھتے ہوئے نفی میں گردن ہلا دی۔

"دادی جان دونوں گھروں کے لیے باعث رحمت ہیں سارہ! اور تم رمضان کے اس بابرکت مہینے میں اس رحمت پر قبضہ جمائے رکھنا چاہتی ہو' ارے تھوڑے سے دنوں کی تو بات ہے میں عید کے بعد انہیں خود چھوڑ جاؤں گا وعدہ۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ عید دادی جان تمہاری طرف گزاریں گی یہ کب طے ہوا تھا؟" حسب توقع سارہ چیخ ہی تو پڑی۔

"اچھا بابا یوں کھڑے کھڑے جھگڑنا بند کرو اور اندر بیٹھ کر آرام سے طے کر لو کہ میں نے عید کہاں گزارنی ہے۔ میں اپنے چار جوڑے خود ہی بیگ میں ڈال لیتی ہوں۔" جہاں آرا بیگم مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔ وہ دونوں لاؤنج میں جا بیٹھے۔ رفیعہ کو اچانک یاد آیا تھا۔

"ابھی رکنا سعد! میں نے چنے کی دال کا حلوہ بنایا ہے بھائی صاحب کو بہت پسند ہے۔ سحر اور افطار میں تھوڑا بہت میٹھا ضرور لیتے ہیں میں تمہیں ڈونگے میں نکال کر لا دیتی ہوں۔"

"آپ کے ہاتھ کا حلوہ تو ہم سب ہی بہت شوق سے کھاتے ہیں چچی جان! سحری کے لیے تو کچھ بچے گا بھی نہیں' آج افطاری میں ہی چٹ ہو جائے گا۔"

"اس کے کہنے کا مطلب ہے امی! کہ بڑے والے ڈونگے میں خوب سارا حلوہ ڈال کر دیجیے گا۔" سارہ نے اسے ہنس کر چھیڑا۔

"کتنا صحیح اندازہ لگایا تم نے لڑکی۔" وہ سعد تھا۔ مجال ہے جو شرمندہ ہو جاتا۔

رفیعہ مسکراتے ہوئے باہر نکل گئیں۔ اب کمرے میں صرف وہ دونوں رہ گئے تھے۔ دونوں کے مابین چند لمحوں کے لیے بے نام سی خاموشی چھا گئی اور اکثر ایسا ہی ہوتا تھا کہ سب کے سامنے ایک دوسرے سے

خوب چونچیں لڑانے والے جب تنہا ہوتے تو سوجھتا ہی نہ تھا کہ ایک دوسرے سے کیا کہیں۔

"اور سناؤ۔ کیسے روزے گزر رہے ہیں؟" آخر سارہ نے ہی اس کی سمت دیکھتے ہوئے بات کا آغاز کیا اور اس کا چہرہ دیکھ کر اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا ذرا دیر پہلے کے برعکس کچھ بجھا بجھا اور مضمحل سا چہرہ۔

"گھر میں سب کیسے ہیں تایا ابو، تائی اماں، حسیب، انعم؟" اس نے گھر والوں کی خیریت جاننا چاہی۔ اسے پہلے سوال کی طرح اس سوال کا بھی جواب نہ ملا وہ چپ چاپ اسے تکے جا رہا تھا، جانے کس دھیان میں تھا وہ۔

"کیا بات ہے سعد! چپ کا روزہ بھی رکھ لیا ہے کیا۔" وہ جھنجلا ہی تو گئی۔ وہ جیسے یکدم چونکا تھا۔

"ہاں سب ٹھیک ہیں۔"

"کیا بات ہے تم اتنے تھکے تھکے کیوں لگ رہے ہو۔ کیا روزہ لگ رہا ہے۔" وہ گویا جرح پر اتر آئی۔ اس سے سعد کا یہ موڈ ہضم نہ ہو رہا تھا۔

"گرمیوں کے روزے ہیں۔ لگتے تو ہیں یار۔" سعد نے اس بار مسکرانے کی کوشش کی۔

"بہرحال روزہ لگنے سے بندہ اتنا پریشان حال نہیں لگتا جیسے اس وقت تم لگ رہے ہو۔"

"کوئی پرابلم ہے سعد؟" وہ پریشان ہوئی۔ سعد نے ایک گہرا سانس لے کر اسے دیکھا۔ کیا تھی یہ لڑکی اپنی دانست میں وہ اس سے بالکل نارمل انداز میں ملا تھا پہلے کی طرح چھیڑ چھاڑ، ہنسی مذاق مگر پھر بھی جانے کیسے وہ اس کے دل کا حال پا گئی تھی۔

"کوئی پرابلم نہیں ہے لڑکی! تم جلدی سے جاؤ دادی جان کی پیکنگ مکمل کرواؤ۔ دادی جان کو گھر چھوڑ کر مجھے فوراً" آفس پہنچنا ہے۔ بہت امپورٹنٹ میٹنگ ہے اور چچی جان سے کہو کہ جلدی سے حلوہ ڈونگے میں ڈال دیں۔"

اس نے کلائی کی گھڑی پر نگاہ جماتے ہوئے کسی قدر افراتفری مچانا چاہی اور اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو گیا۔ سارہ سر ہلاتے ہوئے فوراً" باہر نکلی تھی۔ سعد نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندلی تھیں وہ اس پاگل لڑکی کو کیسے بتاتا کہ وہ کس اور... سے پریشان ہے۔ جہاں آرا بیگم اپنے چھوٹے... بیگ میں اپنی ضرورت کی تمام اشیا رکھ کر جانے کے لیے تیار تھیں۔ سعد رفیعہ سے مل کر ان کا بیگ اٹھائے جانے کو آگے بڑھا۔ سارہ کے پاس سے گزرا... سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔

"میرے اور اپنے لیے اچھی اچھی دعائیں کرنا۔" سارہ نے گردن تو ہلا دی مگر وہ اس کی بات کا مفہوم سمجھ نہ پائی۔ اس کی چھٹی حس کچھ انہونی کا احساس دلا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس بار اپنے بڑے بیٹے وجیہہ الحسن کے گھر جا کر جہاں آرا بیگم کو کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ ان... دونوں بہوؤں سے ان کے مثالی تعلقات تھے وہ خدا کا شکر ادا کرتے نہ تھکتی تھیں جس نے انہیں قدسیہ اور رفیعہ جیسی سمجھ دار بہوؤں سے نوازا تھا۔ دونوں بہوؤں نے بچوں کی تربیت بہترین انداز میں کی تھی۔ دونوں گھرانوں کے آپس میں مثالی تعلقات تھے۔ اپنی... سہولت کے مطابق رہائش الگ الگ تھی۔ مگر دل ملے ہوئے تھے۔

جہاں آرا بیگم کچھ دن بڑے بیٹے کے ہاں گزارتیں تو کچھ دن چھوٹے کے ہاں، وہ جہاں بھی جاتیں ان کی آمد پر اتنی خوشی کا اظہار کیا جاتا جیسے وہ چند دنوں بعد نہیں بلکہ چند مہینوں بعد آئی ہوں۔

ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر وہ ستانے کے لیے لیٹیں تو ان کی چھوٹی پوتی انعم ان کے پاس آ گئی۔ اس کا چہرہ رویا رویا سا ہو رہا تھا۔

"سعد بھائی نے آپ کو کچھ بتایا دادی جان؟" وہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ جہاں آرا بیگم نے ناسمجھی سے پوتی کو دیکھا پھر نفی میں گردن ہلا دی۔

"کچھ کیجیے دادی جان! سب کچھ گڑبڑ ہونے جا رہا ہے۔ امی کو سمجھائیے۔" وہ ان کے ہاتھ تھامے ہوئے رو ہی تو پڑی۔

"انعم بچے! کھل کر بات کرو۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" جہاں آرا بیگم واقعتا" پریشان ہو گئی تھیں۔

"امی! سعد بھائی کی بات علیزے سے طے کرنے جا رہی ہیں۔" اس نے گویا ان کے حواسوں پر بم گرایا۔

"علیزے ...." جہاں آرا بیگم نے حیرت سے پوتی کو دیکھا۔

"جی ہاں، آفاق ماموں کی علیزے۔" اس نے اپنے مرحوم ماموں کا نام لیا۔ جہاں آرا بیگم نے بے یقینی سے پوتی کو دیکھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ ہونے جا رہا ہے دادی جان! صرف آپ ہی ہیں جو امی کو اس جذباتی فیصلے سے روک سکتی ہیں۔ امی کہتی ہیں کہ یہ ماموں مرحوم کی آخری خواہش تھی۔ امی اپنے مرحوم بھائی کی آخری خواہش کا تو احترام کر رہی ہیں لیکن زندہ لوگوں کی خواہشوں اور خوابوں سے آنکھیں چرا رہی ہیں۔ آپ خود بتائیں دادی جان! سعد بھائی کیا سارہ آپی کے علاوہ کسی اور کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور بھی کر سکتے ہیں؟ اور ایک سعد بھائی ہی کیا ہم سب نے بھی جب کبھی سعد بھائی کے ساتھ کسی کا تصور کیا تو وہ سارہ آپی ہی تھیں بے شک دونوں کی باقاعدہ منگنی نہیں ہوئی لیکن بچپن سے ہم سب کے ذہنوں میں یہ ہی بات ڈالی گئی کہ سارہ آپی کو ہی ہمارے گھر آنا ہے اور علیزے بے شک وہ بھی بہت اچھی ہے لیکن سعد بھائی اور اس کا ایج ڈیفرنس تو دیکھیے سعد بھائی تو اسے بالکل چھوٹی بہنوں کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں اور وہ تو...."

"گھر میں کس کس کو یہ بات معلوم ہے؟" جہاں آرا بیگم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے ٹھہرے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"سب کو ہی پتا ہے۔ چار دن پہلے امی نے یہ ذکر چھیڑا ہے اور چار دن سے گھر میں بے تحاشا ٹینشن کی فضا ہے۔ کسی کو سکون کی نیند آتی ہے نہ سحری اور افطاری کے وقت کچھ کھانے کو جی چاہتا ہے۔ انعم دل گرفتہ ہو کر بولی۔

"تو کیوں پریشان ہو رہی ہے۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" جہاں آرا بیگم نے اپنی پریشانی چھپاتے ہوئے اسے دلاسا دیا۔

"سچ کہہ رہی ہیں نا آپ دادی جان! سب ٹھیک ہو جائے گا نا؟" انعم نے بہت آس سے پوچھا۔ انہوں نے بدقت مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ انعم مطمئن ہو کر چلی گئی وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

افطاری پر معمول کا اہتمام ہوتے ہوئے بھی وہ پرانی والی رونق نہ تھی سب خاموشی سے دسترخوان پر بیٹھے سائرن بجنے کا انتظار کر رہے تھے۔

"اب سعد کو بھی بلا لاؤ۔ آفس سے آ کر کہیں سو تو نہیں گیا۔" وجیہہ الحسن صاحب نے بیٹے کی غیر موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"سعد بھائی ابھی آفس سے آئے ہی کہاں ہیں ابو!" انعم نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

"کیوں خیریت؟" انہوں نے پوچھا۔

"ابھی فون آیا تھا۔ کہہ رہا تھا کام زیادہ ہے، وہیں افطار کرے گا۔" اس بار قدسیہ بیگم نے جواب دیا تھا۔

وجیہہ الحسن صاحب نے تیکھی نگاہ بیوی کے چہرے پر ڈالی مگر کچھ بولنے سے گریز کیا۔ جہاں آرا بیگم ماحول کا بوجھل پن شدت سے محسوس کر رہی تھیں۔

رات جب وہ نماز عشاء اور تراویح ادا کر فارغ ہوئیں تب سعد دستک دے کر کمرے میں داخل ہوا۔ تھکا تھکا نڈھال سا ان کے دل کو کچھ ہوا۔

"نماز پڑھ لی آپ نے؟" سعد نے پوچھا۔

"پڑھ لی بیٹا! لیکن تو اتنی دیر سے کہاں تھا۔ ایسا بھی کیا آفس کا کام کہ صبح کا گیا بندہ رات کو لوٹے۔" وہ بیڈ پر پاؤں لٹکائے بیٹھی تھیں۔ سعد کوئی جواب دیے بنا نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا اور ان کے گھٹنوں پر اپنا سر رکھ لیا۔

"کیا بات ہے میرے بچے! کیوں اتنا پریشان ہے۔"

انہوں نے پیار سے اس کے بال سنوارے۔
"آپ لوگوں نے ہمارے ساتھ بہت زیادتی کی دادی جان۔" کچھ دیر بعد اس نے دھیمے لہجے میں شکوہ کیا تھا۔
"کیسی زیادتی؟" جہاں آرا بیگم سمجھ نہ پائی تھیں۔
"بچوں کے رشتے کم عمری میں طے نہیں کرنے چاہئیں بچپن سے یہ بات ہمارے کانوں میں پڑی تو دل بھی اسی راہ پر چل پڑا۔ لیکن اب اندازہ ہو رہا ہے کہ کتنا کمزور رشتہ باندھا آپ لوگوں نے' یا پھر ہمیں ایک دوسرے کا ایسا پابند کر دیا ہوتا کہ کوئی اس بندھن کو توڑنے کا سوچ بھی نہ سکتا۔ ورنہ یہ بات ہمارے بڑے ہونے تک اپنے سینوں میں پر دبی رہنے دیتے۔" وہ شکووں کی پٹاری کھولے بیٹھا تھا' جہاں آرا بیگم اسے ٹوک بھی نہ سکیں کہ اس کی کوئی بات غلط نہ تھی۔
"میں سارہ کے بغیر نہیں رہ سکتا دادی جان!" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے بڑی بے بسی سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔
"تو میری سارہ کب رہ سکتی ہے تیرے بغیر۔" ان کی جھلمل کرتی آنکھیں مسکرائی تھیں۔
"تو بالکل فکر نہ کر' میں بات کروں گی تیری ماں سے۔ وہ یہ فیصلہ تنہا کرنے والی کون ہوتی ہے۔ میں زندہ ہوں ابھی اور شادی بیاہ کوئی بچوں کا کھیل تھوڑی ہے۔ زور زبردستی سے زندگی بھر کے بندھن کب باندھے جاتے ہیں۔ مجھے تو سمجھ نہیں آرہا کہ بیٹھے بٹھائے قدسیہ کے ذہن میں کیا بات سمائی کہ گھر بھر کو یوں پریشان کر ڈالا۔" زندگی میں پہلی بار انہیں بڑی بہو پر غصہ آیا تھا۔
"امی جانے اتنی کٹھور کیسے ہو گئی ہیں۔ آفاق ماموں نے ان سے آخری سانسوں میں یہ بات کی تھی اور وہ ان کی آخری خواہش پوری کرنا چاہتی ہیں حالانکہ میں جانتا ہوں کہ انہوں نے ہمیشہ میرے حوالے سے سارہ کا ہی تصور کیا ہے۔ میں نے ہمیشہ سارہ کے لیے ان کی آنکھوں میں بے تحاشا محبت محسوس کی ہے۔ لیکن جانے کیوں اب ..." سعد نے بے بسی سے بات ادھوری چھوڑی۔
"میں نے کہا نا سعد! میں سمجھاؤں گی قدسیہ کو لو... بچی کیا بھلا نام ہے اس کا۔" انہوں نے ذہن پر زور دیا۔
"علیزے۔" سعد نے ہولے سے اپنی ماموں زاد کا نام لیا۔
"ہاں تو اتنی پیاری بچی کو کوئی رشتوں کا کال تھوڑی ہو گا پھر ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔"
"یہ ہی بات تو میں امی کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ علیزے اتنی چھوٹی ہے، مجھ سے خدا گواہ ہے کہ میں نے جب بھی اس پر نگاہ ڈالی ہے تو چھوٹی بہن سمجھ کر پیار بھری نگاہ ہی ڈالی ہے۔ وہ میرے لیے ... جیسی ہے اگر سارہ درمیان میں نہ ہوتی میں تب بھی علیزے سے شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔" وہ بہت پریشان تھا۔
"اچھا میرے بچے! تو ساری فکریں ذہن سے جھٹک دے اور اپنے کمرے میں جا کر سو جا۔ میں کل قدسیہ سے بات کروں گی۔ اس نے آج تک میری کوئی بات نہیں ٹالی اور یہ معاملہ تو ایسا ہے کہ اس سے میرے دونوں بیٹوں کا گھر متاثر ہونے کا خدشہ ہے۔ پھر میری سارہ تو جیتے جی مر جائے گی۔" جہاں آرا بیگم کے کہنے پر سعد بھی اس کے تصور میں کھو گیا۔
"چل شاباش جا کر سو جا۔ پھر صبح سحری کے لیے بھی اٹھنا ہے۔" انہوں نے اسے پچکارا وہ سر ہلاتے ہوئے اٹھ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اور اگلے دن جب سب اپنے اپنے کام پر روانہ ہو گئے تو جہاں آرا بیگم نے بہو سے بات کرنے کی ٹھانی۔ قدسیہ ماسی کو صفائی کی ہدایات دے کر ساس کے پاس آ بیٹھیں۔ جہاں آرا بیگم بظاہر اخبار پڑھنے میں مصروف تھیں۔ انہوں نے قدسیہ کو آتے دیکھا تو اخبار اور چشمہ ایک سائیڈ پر رکھ دیا۔
"آؤ بہو! میں نے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" انہوں نے سنجیدگی سے قدسیہ کو مخاطب کیا۔ قدسیہ نے سر اٹھا کر ساس کو دیکھا۔ وہ کیا کہنے جا رہی تھیں' قدسیہ بخوبی جانتی تھیں۔
"میں بھی آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں اماں جان!" انہوں نے سر جھکا کر دھیمے لہجے میں بات کا آغاز کیا۔
"ہاں کہو' پہلے تم کہو۔" جہاں آرا بیگم نے فراخ دلی سے کہا۔
"میری اپنی ماں میرے لڑکپن میں ہی اللہ کو پیاری ہو گئی تھی۔ ماں کیا ہوتی ہے آپ نے مجھے احساس دلایا کہ ماں کی محبت اور شفقت کیا چیز ہوتی ہے۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے آپ کو کبھی وجیہہ الحسن کی ماں نہیں سمجھا بلکہ ہمیشہ اپنی ماں سمجھا ہے۔" بے بسی سے بولی تھیں۔
"کیسی باتیں کرتی ہے قدسیہ! میں ہوں تیری ماں۔" جہاں آرا بیگم بھی جذباتی ہو گئیں۔
"آپ اگر میری ماں ہیں تو اماں خدا کے لیے میری مجبوری سمجھیں۔ آپ کی بیٹی آپ کے آگے ہاتھ جوڑ رہی ہے' اسے معاف کر دیجیے۔" قدسیہ کے آنسو ان کے گالوں پر تواتر سے بہنے لگے۔
"یہ کیا کر رہی ہے قدسیہ!" جہاں آرا بیگم نے خفا ہوتے ہوئے ان کے بندھے ہاتھ کھولے تھے۔ قدسیہ اس وقت انہیں اپنے حواسوں میں نہ لگ رہی تھیں۔
"میرا ایک ہی بھائی تھا اماں! مجھ سے پورے تیرہ برس چھوٹا۔ ماں کے انتقال کے بعد میں نے اسے بچوں کی طرح سنبھالا۔ وہ مجھے اپنے بچوں کی طرح ہی عزیز تھا اور اس نے بھی اپنی زندگی کے ہر فیصلے کا اختیار مجھے سونپ رکھا تھا اسے کیا پہننا ہے۔ کون سے مضامین منتخب کرنے ہیں۔ کن لڑکوں سے دوستی کرنی ہے۔ مجھے اس سے کوئی بات دوسری بار کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی' وہ سر جھکا کر میرا ہر فیصلہ' ہر بات مانتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ کے لڑکے فارغ البالی کے مزے لوٹ رہے تھے مگر میں نے اس کی تعلیم مکمل ہونے کا بھی بمشکل انتظار کیا اور اسے شادی کے بندھن میں باندھ دیا۔ یہاں بھی اس نے میری پسند پر سر جھکا دیا۔
آپ کے سامنے کی تو بات ہے اماں! جب ہم سمیعہ کو آفاق کے سنگ رخصت کروا کر لائے تھے۔ بالکل کل کی بات لگتی ہے نا۔ میرا ماں جایا کتنی جان چھڑکتا تھا وہ مجھ پر' میرے بچوں پر اور سعد میں تو گویا اس کی جان تھی۔ زندگی کی آخری سانسوں میں اس نے اپنی بیٹی کے لیے مجھ سے میرے سعد کو مانگا تھا۔ وہ بہت فکر مند تھا علیزے کے لیے۔ اطمینان چاہ رہا تھا کہ اس کی لاڈلی کا مستقبل محفوظ ہو جائے۔ زندگی میں پہلی اور آخری بار میرا بھائی مجھ سے کچھ مانگ رہا تھا وہ آس بھری نگاہوں سے مجھے تک رہا تھا۔ ڈاکٹروں نے کہہ دیا تھا کہ اس کی مہلت ختم ہونے والی ہے لیکن میں اس کی تسلی کے لیے یقین دہانی کا ایک لفظ نہ بول پائی۔ میں نے کتنی سنگدلی' کتنی خود غرضی دکھائی نا اماں! مجھے اس وقت بھی اپنے بھائی کی آخری خواہش سے زیادہ اپنے بیٹے کے دل کی خوشی کا خیال رہا۔ میں جانتی ہوں اماں! سارہ میرے سعد کے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے۔ میں نے خود بھی ہمیشہ سعد کے ساتھ سارہ کا ہی سوچا تھا لیکن میں کیا کروں' مجھے آفاق کی آخری نگاہیں نہیں بھول پاتیں۔ میں نے اس وقت تو خاموش رہ کر آس کی اس توڑ دی تھی لیکن اس کے جانے کے بعد مجھے ایک پل کا قرار نصیب نہیں ہوا۔
ایک سال لگا ہے اماں! مجھے فیصلے پر پہنچنے میں۔ میں نے جو ذہنی اذیت جھیلی ہے کوئی اس کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتا۔ میں اس تمام عرصے میں دو کشتیوں کی سوار رہی ہوں۔ کبھی سارہ اور سعد کی خوشیوں کا خیال آتا تو کبھی اپنے بھائی کی آس بھری نگاہیں لیکن آخر کار میرے بچھڑے بھائی کی محبت میری ممتا پر غالب آ گئی۔ میں اپنے اندر اس کی آخری خواہش رد کرنے کا حوصلہ نہیں پاتی۔ میں اپنے بچے کی خوشی قربان کرنے پر مجبور ہوں اماں۔"
قدسیہ زار و قطار رو رہی تھیں۔ جہاں آرا بیگم کا ہاتھ خود بخود ان کے سر پر ٹھہر گیا۔
"سارہ میں کس چیز کی کمی ہے اماں! اسے سعد سے

کہیں زیادہ اچھا رشتہ مل سکتا ہے۔ میں خود ڈھونڈوں گی اس کے لیے لڑکا۔ رفیعہ اور شمس الحسن سے بھی ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں گی۔ مجھے پتا ہے اماں کہ اس بات سے سب کو کتنا دھچکا لگے گا لیکن آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میرے سعد کے دل کو بھی قرار آ ہی جائے گا۔ علیزے اچھی بچی ہے' اس کا ذہن اسے قبول کرنے پر آمادہ ہو ہی جائے گا۔" قدسیہ نے بات مکمل کر کے جہاں آرا بیگم کو دیکھا جو چپ بیٹھی تھیں۔ وہ قدسیہ کی ذہنی اور جذباتی کیفیت سمجھ سکتی تھیں۔ انہیں سمجھانے کے لیے جہاں آرا بیگم کو اپنی سوچی گئی ساری دلیلیں بے کار لگنے لگی تھیں۔

"کچھ تو بولیں اماں! آپ مجھ سے خفا ہو گئی ہیں نا۔" قدسیہ نے اداسی سے انہیں دیکھا۔

"تم نے میرے بولنے کے لیے چھوڑا ہی کیا ہے بیٹی۔ جہاں آرا بیگم نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"بہرحال میں خفا نہیں ہوں تم سے تمہاری مجبوری سمجھ سکتی ہوں لیکن تمہارے فیصلے کے جو اثرات مرتب ہوں گے ان سے نمٹنا بھی تو بڑی پریشانی کا باعث بنے گا۔" ان کے چہرے پر تفکر کے سائے چھانے لگے تھے۔

"آپ اگر میرا ساتھ دیں اماں تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" قدسیہ نے بہت آس سے انہیں دیکھا۔

"سچی بات تو یہ ہے قدسیہ! کہ ابھی میرے لیے اپنے دل کو سمجھانا بھی بڑا مرحلہ ہے۔ سعد اور سارہ دونوں میرے جگر کے ٹکڑے ہیں' ان کا دل ٹوٹے' یہ صدمہ میرا بوڑھا دل کیسے سہار پائے گا۔"

انہوں نے تھکے تھکے انداز میں خود کلامی کی۔ زندگی کی ڈھلتی چھاؤں میں یہ کیسا عجیب سا امتحان درپیش تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم اس وقت کہاں چل دیے بیٹا؟" جہاں آرا بیگم برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھی استغفار کی تسبیح پڑھنے میں مشغول تھیں جب انہوں نے کتابیں اٹھائے حسیب کو باہر کی جانب جاتے دیکھا۔

"دوست کی طرف جا رہا ہوں مل کر اسائنمنٹ ہے دادی جان۔" حسیب نے جواب دیا۔

"اس وقت بیٹا! اب تو افطار کا ٹائم ہونے [illegible] ہے۔" جہاں آرا بیگم نے اسے نرمی سے مخاطب [illegible]

"اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں' یہ کسی کے گھر [illegible] وقت ہے بھلا۔" افطار کے بعد چلے جانا۔" قدسیہ [illegible] کچن سے ہاتھ پونچھتی باہر نکلی تھیں۔

"وہیں کر لوں گا۔" حسیب نے ان سے [illegible] ملائے بغیر خفا سے انداز میں جواب دیا تھا۔

"آج میں نے خاص تمہاری پسند کے [illegible] پکوڑے بنائے ہیں۔" قدسیہ نے اسے روکنا چاہا [illegible]

"آپ کو اپنے بچوں کی پسند' ناپسند کا خیال [illegible] حیرت ہے امی!" حسیب نے نروٹھے انداز میں [illegible] قدسیہ کا چہرہ یک لخت سفید پڑ گیا تھا۔

"دیکھ رہی ہیں اماں! یہ میرے بچے ہیں؟ آج [illegible] ان کی ہر فرمائش' ہر خواہش بساط سے بڑھ کر پوری [illegible] ہے۔ زندگی میں پہلی بار ان کی خوشی پوری کرنا میر[illegible] بس سے باہر ہو گیا ہے تو اس بات کا قلق ان سے [illegible] مجھے ہے۔ اپنی ماں کی مشکل کوئی سمجھ ہی نہیں رہا [illegible] سب مجھے سعد کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ [illegible] رہے ہیں تو ٹھیک ہے میں ایک طرف ہٹ جاتی [illegible] میں اپنی اولاد پر ہر قسم کے حق سے دستبردار ہوتی [illegible] وہ روتے روتے حواس کھونے لگی تھیں۔

"امی!" انعم نے انہیں گرتے دیکھا تو چیخ مار کر [illegible] بڑھی۔ حسیب نے بھی کتابیں تخت پر پھینک [illegible] انہیں تھاما تھا۔ اتنے میں سعد بھی کمرے سے باہر [illegible] وہ ذرا دیر پہلے آفس سے لوٹا تھا اور کسی سے کوئی [illegible] کیے بنا محض سلام کر کے کمرے میں گھس گیا تھا۔ [illegible] فوراً لپک کر ماں کے پاس آیا۔

"پانی لاؤ مانو۔" اس نے قدسیہ کے سرد پڑتے [illegible] اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے انعم کو مخاطب کیا۔ انعم [illegible] ہلاتے ہوئے مڑی لیکن پھر واپس پلٹی تھی۔

"امی کا تو روزہ ہے۔" اس نے گھبرا کر یاد دلایا۔

"قدسیہ! قدسیہ کیا ہوا بیٹی؟" جہاں آرا بیگم بھی ان کی متغیر حالت دیکھ کر بری طرح گھبرا گئی تھیں۔

"امی! میں آپ کا بیٹا ہوں' آپ مجھ پر ہر طرح کا حق رکھتی ہیں میری زندگی کے متعلق ہر فیصلے کا اختیار آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کا کیا گیا ہر فیصلہ مجھے جی جان سے قبول ہے۔" سعد نے ماں کے ہاتھ بے اختیار لبوں سے لگا لیے تھے۔ جہاں آرا بیگم کی آنکھیں بھی ڈبڈبا گئی تھیں۔

"امی پلیز' کچھ تو بولیں۔ آپ ٹھیک ہیں نا؟" انعم نے بے قراری سے پوچھا۔ انہوں نے بدقت سرہلایا۔ آنکھوں میں نمی لیے وہ صرف اپنے اردگرد کھڑے اپنے بچوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے معاف کر دینا سعد۔" بہت جتن کر کے ان کی زبان سے لفظ ادا ہوئے تھے۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں امی آپ۔" سعد نے تڑپ کرانہیں گلے سے لگا لیا تھا۔

"تمہارے ماموں کے آخری لمحات کا مجھ پر قرض ہے بیٹا! میں اس کی آس بھری نگاہیں بھلا نہیں پاتی۔ اپنی ماں کی مجبوری سمجھ کر معاف کر دینا اسے۔"

"آپ ہرگز ٹینشن نہ لیں امی! میں نے کہہ تو دیا کہ مجھے آپ کا ہر فیصلہ قبول ہے۔" سعد نے دل کی آواز کو سختی سے دباتے ہوئے ماں کو تسلی دی تھی۔

"بس اب بچے نے کہہ تو دیا۔ ہمت پکڑو' دیکھ نہیں رہیں سارے بچے کیسے پریشان ہو گئے ہیں۔" جہاں آرا بیگم نے انہیں مخاطب کیا تھا۔

"جی اماں۔" وہ حسیب اور سعد کا سہارا لیتے ہوئے اٹھ بیٹھیں۔

"چلو انعم اٹھو بیٹا' افطار کا وقت بس ہونے والا ہے جو کام رہ گئے ہیں وہ نمٹاؤ۔ دسترخوان لگاؤ۔" انہوں نے سب کی توجہ چاہی۔ انعم سرہلاتے ہوئے کچن کی طرف مڑ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"سعد بیٹے! آج مجھے اپنے چچا کی طرف چھوڑ کر پھر آفس چلے جانا۔" جہاں آرا بیگم نے سحری کے وقت سعد کو مخاطب کیا۔ ایک لمحے کے لیے سب کے ہاتھ تھم گئے تھے۔

"دادی جان! آپ اتنی جلد واپس جا رہی ہیں؟ ابھی آپ کو آئے تین دن ہی تو ہوئے ہیں۔" سب سے پہلے حسیب بولا۔

"کچھ دنوں میں پھر چکر لگاؤں گی بیٹا! وہاں سارہ اکیلے بور ہوتی ہے۔ ہم دونوں دادی پوتی اکٹھے ہوں تو کچھ جی بہل جاتا ہے ورنہ تو سارا دن بولائی بولائی پھرتی ہے۔" سارہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کے لہجے میں محبت سمٹ آئی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو سعد ان کے بیان پر ضرور احتجاج کرتا مگر آج اس نے جہاں آرا بیگم کے واپس جانے کا سن کر محض سرہلانے پر اکتفا کیا تھا اور جس وقت وہ صبح سعد کے ساتھ شمس الحسن کے ہاں جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں' شرمندہ شرمندہ سی قدسیہ چلی آئیں۔

"آپ مجھ سے خفا ہو کر جا رہی ہیں نا اماں؟" ان کے لہجے میں عجیب سی بے بسی تھی۔

جہاں آرا بیگم نے ٹھنڈا سانس بھر کر انہیں دیکھا۔ وہ جانتی تھیں کہ قدسیہ نے ایک پچھتاوے کے زیر اثر یہ فیصلہ کر تو ڈالا ہے۔ مگر انجانے میں ایک دوسرے پچھتاوے کو سینے سے لگا بیٹھی ہیں نرمی سے بولیں۔

"دیکھو بیٹی! یہ سچ ہے کہ تمہارے فیصلے سے ہمیں دھچکا ضرور لگا ہے لیکن ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ تمہاری نیت اور ارادہ کسی کو دکھ پہنچانے کا نہیں ہے۔ میں ہرگز بھی تم سے خفا ہو کر نہیں جا رہی لیکن میرا وہاں جانا بھی ضروری ہے اس سے پہلے کسی اور طرح بات ان تک پہنچے اور ان کے دلوں میں غلط فہمیاں جنم لیں میں طریقے سلیقے سے یہ بات رفیعہ اور شمس الحسن کو بتانا چاہتی ہوں اور پھر سارہ کو ساری بات جان کر جو جذباتی دھچکا لگے گا اسے سنبھالنے' سمجھانے کے لیے بھی میرا وہاں ہونا ضروری ہے۔"

"اماں! اگر آپ کہیں تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں۔ میں شمس الحسن اور رفیعہ سے ہاتھ جوڑ کر

معافی مانگنا چاہتی ہوں۔"

"نہیں قدسیہ! فی الحال تمہارے جانے کی ضرورت نہیں' اگر میں نے مناسب سمجھا تو تمہیں بلوا بھیجوں گی۔" جہاں آرا بیگم نے رسانیت سے ان کا شانہ تھپکا۔ اتنے میں سعد بھی آ گیا تھا۔

"چلیں دادی جان۔" اس نے ان کا بیگ اٹھایا۔

"ہاں چلو۔" وہ اس کی معیت میں آگے بڑھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

گیٹ سارہ نے کھولا تھا۔ خوشی اور حیرت کی زیادتی سے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔

"مجھے یقین ہی نہیں آرہا کہ آپ اتنی جلدی واپس آجائیں گی۔ میں نے کل افطار سے پہلے یہ ہی دعا کی تھی۔ آپ صحیح کہتی تھیں دادی جان! روزے دار کی اس وقت کی گئی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔" وہ ان سے لپٹتے ہوئے بولی اور اس کی بات میں شاید صداقت تو تھی۔ وہ بھی تو روزے دار تھا اور سارا سفر یہ ہی سوچتے کٹا تھا کہ کاش گیٹ پر ہی اس کی ایک جھلک دیکھنے کو مل جائے اگرچہ وہ اسے دیکھنے کا حق کھو چکا تھا مگر دل پر عقل کا زور کب چلتا ہے۔

"دیکھ لیجیے سعد صاحب! دادی جان کہہ رہی ہیں کہ میرے بغیر ان کا دل نہیں لگا' اسی لیے واپس آگئی ہیں۔" جہاں آرا بیگم نے پتا نہیں یہ بات کی بھی تھی یا وہ اسے محض چڑا رہی تھی سعد بہت مشکلوں سے مسکرایا تھا۔

"کیا ہوا ہے سعد تمہیں! اتنی صبح صبح روزہ لگنا شروع ہو گیا؟" اس کے چہرے کی پژمردگی سارہ کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہ پائی تھی جب ہی اپنی شوخی بھول کر تشویش سے دریافت کیا۔ سعد نے اس بار بھی کوئی جواب نہ دیا بس ذرا سا مسکرانے کی کوشش کی پھر دادی جان کو سلام کر کے واپس گاڑی کی طرف پلٹ گیا۔ سارہ حیرت سے اسے دیکھتی رہی اور وہ زن سے گاڑی بھگا لے گیا۔

"یہ سعد کو کیا ہوا دادی جان؟" جہاں آرا بیگم کے ساتھ اندر کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"تمہارے باوا آفس کے لیے نکل گئے یا گھر پر ہی ہیں؟" جہاں آرا بیگم نے بھی جیسے اس کا سوال ان سنی کر دیا۔

"پاپا کو نکلے پانچ دس منٹ ہی ہوئے ہیں۔ کیا بات ہے دادی جان! سب خیریت تو ہے نا؟ آپ تین دن بعد ہی کیوں واپس آگئی ہیں؟" ذرا دیر پہلے ملنے والی خوشی پر اب خدشات حاوی ہو رہے تھے۔

"اے بچی! ذرا چھری کے نیچے دم تو لے لے۔ وہاں لوڈشیڈنگ نے زندگی عذاب میں ڈال رکھی تھی' اوپر سے جنریٹر خراب ہو گیا اور وجیہہ الحسن تو کہہ رہا تھا کہ آج کل میں ٹھیک ہو جائے گا لیکن نہ بھئی مجھ سے روزے کی حالت میں گرمی برداشت نہیں ہوتی بس اسی لیے آگئی۔"

انہوں نے سچ میں ذرا سے جھوٹ کی آمیزش کی تھی وہاں جنریٹر واقعی خراب ہو رہا تھا حسب توقع یہ وضاحت سن کر وہ مطمئن ہو گئی۔ رفیعہ ابھی انہیں دیکھ کر حیران ہو گی تھیں "آپ آئی کس کے ساتھ ہیں اماں؟" رفیعہ کو اچانک خیال آیا تو پوچھ لیا۔

"سعد آفس جاتے ہوئے چھوڑ گیا ہے۔" انہوں نے بتایا تھا۔

"اندر نہیں آیا؟" وہ حیران ہوئیں۔ سعد آئے اور بنا سلام کیے پلٹ جائے یہ کب ہوا تھا۔

"ہاں' آفس سے لیٹ ہو رہا تھا۔" جہاں آرا بیگم نے کمزور سے لہجے میں پھر جھوٹ بولا مگر رفیعہ نے ان کے لہجے پر دھیان دیے بغیر خوش دلی سے یہ عذر قبول کر لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

کمرے میں اتنا سناٹا چھایا ہوا تھا کہ سوئی گرتی تو اس کی بھی آواز آتی۔ رفیعہ اور شمس الحسن دونوں کے لیے یہ خبر اتنی اچانک اور تکلیف دہ تھی کہ وہ بہت دیر

تک کچھ بول نہ پائے۔

"قدسیہ کی نیت پر شک مت کرنا بیٹے! جتنی تکلیف تمہیں اس کا فیصلہ سن کر پہنچی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ تکلیف اسے اس فیصلے پر پہنچنے تک سہنی پڑی ہے۔ وہ حد درجہ ذہنی اذیت سے گزر رہی ہے۔" جہاں آرا بیگم نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑیں۔

"میں قدسیہ بھابھی کی ذہنی اذیت کا اندازہ لگا سکتی ہوں اماں! اپنے جوان بھائی کی ناگہانی موت کے بعد وہ مینٹلی بہت ڈسٹرب ہو گئی ہیں۔ ان کی مجبوری سمجھ میں آنے والی ہے لیکن ہم اپنے دل کو کیسے سمجھائیں سارہ کے ساتھ ہمیشہ سعد کا تصور کیا ہے یوں اچانک ـــــ"

رفیعہ نے روتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کاش قدسیہ بھابھی نے ماضی میں میرا اتنا خیال نہ رکھا ہوتا تو میں ان سے جا کر لڑتی کہ وہ کیسے اکیلے یہ فیصلہ کر سکتی ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ بہنوں سے بڑھ کر میرا خیال رکھا۔ ہر مشکل وقت میں میری ہمت بندھائی۔ سارہ کی پیدائش ہوئی تو میں مرتے مرتے بچی تھی پھر جب ڈاکٹروں نے بتایا کہ میں آئندہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہی تو کیا کڑا وقت تھا وہ میرے لیے' آپ کی شفقت اور قدسیہ بھابھی کا ساتھ نہ ہوتا تو میں بکھر کر رہ جاتی اور میری سارہ کو تو شروع میں سنبھالا بھی انہوں نے ہی تھا۔ جب بھی مجھے قلق ستاتا کہ میں شمس الحسن کو وارث دینے کے قابل نہیں رہی تو قدسیہ بھابھی مجھے ڈانٹ دیتی تھیں' کہتی تھیں۔ میرے سعد کو اپنا ہی بیٹا سمجھو اور میں نے سعد کو ہمیشہ اپنا بیٹا ہی جانا اماں! اور جب دونوں کے بچپن میں آپ نے انہیں مستقبل میں ایک بندھن میں باندھنے کا فیصلہ کر لیا تب تو واقعی میرے دل سے بیٹا پیدا نہ کرنے کی محرومی بالکل ختم ہو گئی۔ میں جب بھی سعد پر نگاہ ڈالتی' یہ سکون رگ و پے میں اترتا جاتا کہ سعد جیسا شخص میری سارہ کا جیون ساتھی بنے گا۔ اتنا اچھا' اتنا پیارا' اتنا سلجھا ہوا لڑکا اور سارہ جتنی عقل سے پیدل ہے' میں کبھی اسے ڈانٹ کر عقل کی کوئی بات سمجھانے کی کوشش بھی کرتی تو قدسیہ بھابھی آڑے آجاتیں کہ مجھے اپنی بیٹی کا بھول پن ہی عزیز ہے اور اب۔" رفیعہ کی آنکھیں بھر بھر آرہی تھیں۔

"سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے اماں کہ ہم لوگوں نے یہ بات خود تک محدود نہیں رکھی بلکہ یہ خواب اپنے بچوں کی پلکوں پر بھی سجا دیے اور جب انہیں تعبیر دینے کا وقت آیا تھا تو فیصلہ بدل ڈالا۔" شمس الحسن نے انگلیوں سے کنپٹی مسلی تھی۔

بہرحال میں نہیں چاہتی کہ اس بات کو بنیاد بنا کر تم دونوں بھائیوں کے بیچ کوئی چپقلش جنم لے۔ اگر تم لوگوں کے درمیان کسی قسم کی رنجش پیدا ہوگی تو میرا بوڑھا دل یہ صدمہ سہار نہ پائے گا۔" جہاں آرا بیگم اپنی عمر سے کہیں زیادہ بوڑھی لگنے لگی تھیں۔

"اماں! وجیہہ بھائی کے علاوہ میرا ہے ہی کون۔ ایک ہی بھائی ہے میرا۔ اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم اس بات سے ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب ہو گئے ہیں۔" شمس الحسن تھکے تھکے لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

"اصل مسئلہ میری سارہ کا ہے۔ جب اسے پتا چلے گا تو وہ کیسے سہار پائے گی یہ صدمہ۔ غلطی بلاشبہ ہماری ہے۔ بچپن میں بچوں کی بات طے نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اب ہمیں سارہ کو بہت طریقے' سلیقے سے سمجھانا ہوگا۔" جہاں آرا بیگم نے بیٹے' بہو کو مخاطب کیا۔

"صحیح کہہ رہی ہیں اماں آپ۔" رفیعہ نے آنسو پونچھتے ہوئے ان کی تائید کی۔

"ویسے ہے کہاں سارہ۔ چائے بنانے بھیجا تھا' اب تک آئی نہیں۔" جہاں آرا بیگم کی چھٹی حس نے خطرے کا الارم بجایا تھا۔

"میں دیکھتی ہوں اماں۔" رفیعہ اٹھی تھیں اور کچن کے دروازے میں سے اندر جھانکا تو سامنے سلیب پر دھری ٹرے میں چائے کے مگ سجے تھے وہ قریب گئیں چائے کی سطح پر جمنے والی تہہ نے بتا دیا کہ مگوں میں چائے انڈیلے کافی دیر ہو چکی ہے۔

"سارہ' سارہ بیٹے۔" وہ اسے آواز دیتی واپس مڑی تھیں۔

"چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے امی! آپ چلیں۔ میں گرم کر کے لاتی ہوں۔" اتنے میں ہی سارہ بھی کچن میں داخل ہوئی تھی۔ وہ شاید منہ دھو کر آئی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں آنسو امڈے آرہے تھے اور اس کی کپکپاتی ہوئی آواز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ان کی سب باتیں سن چکی ہے۔

"چائے میں گرم کر کے لے جاتی ہوں۔ تم جاؤ' نماز پڑھ لو۔ دیر کرو گی تو تراویح پڑھنے میں سستی ہو جائے گی۔ انہوں نے اس سے نگاہیں ملائے بغیر نرم لہجے میں مخاطب کیا تھا۔

"جی امی۔" سارہ فوراً" واپس پلٹ گئی تھی۔ رفیعہ کا جی کٹ کر رہ گیا لیکن وہ بے بسی سے اسے جاتا دیکھنے کے سوا کچھ کر پائی تھیں۔

☼ ☼ ☼

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز سے جہاں آرا بیگم کی آنکھ کھلی رفیعہ انہیں بتا چکی تھیں کہ سارہ کے علم میں ساری بات آچکی ہے لیکن جب جہاں آرا بیگم نماز سے فارغ ہو کر اس کے پاس سونے کے لیے آئیں تو وہ کھیس منہ تک تانے پڑی تھی۔ جانے سو چکی تھی یا سونے کی ایکٹنگ کر رہی تھی بہرحال جہاں آرا بیگم نے اسے مخاطب کرنا ضروری نہ سمجھا۔ وہ بھی اپنی تسبیح اور وظائف پڑھتی سونے کی غرض سے لیٹ گئیں اور پڑھتے پڑھتے ہی ان کی آنکھ لگ گئی تھی اور اب جانے کیا وقت ہو رہا تھا جب سارہ کی سسکیوں سے ان کی آنکھ کھلی۔ کچھ دیر تک وہ بے بسی سے اس کی سسکیاں سنتی رہیں پھر آخر ضبط نہ ہوا تو اس کا شانہ ہلاتے ہوئے اسے پکار بیٹھیں۔

"دادی جان۔" وہ کروٹ لے کر بے ساختہ ان کے سینے سے لگی تھی۔ جہاں آرا بیگم خاموشی سے اس کی پیٹھ سہلانے لگیں بعض اوقات تسلی دلاسے کے لیے الفاظ کا سہارا لینا بھی چاہیں تو الفاظ بے معنی لگنے لگتے ہیں۔

☼ ☼ ☼

قدسیہ اس وقت مرحوم بھائی کی قد آدم تصویر کے سامنے کھڑی تھیں۔ ہنستا مسکراتا خوب صورت چہرہ جو ہمیشہ کے لیے ان سے بچھڑ گیا تھا۔ قدموں کی آہٹ پر ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے پیچھے مڑیں۔

"پھپھو! اب جب بھی آتی ہیں۔ پاپا کو بھی اداس کرتی ہیں اور ہمیں بھی' دیکھیں پاپا کتنی پریشانی سے آپ کو تک رہے ہیں۔" علیزے نے پیچھے سے آکر ان کے گلے میں بانہیں ڈالی تھیں۔ قدسیہ نے مسکراتے ہوئے نم آنکھیں پونچھ لیں۔

"گڈ گرل۔" علیزے شوخی سے ہنسی۔ انہوں نے محبت سے مسکراتے ہوئے اپنی اس نٹ کھٹ سی بھتیجی کو دیکھا۔ یہ اس کی شوخیاں ہی تھیں جو آفاق ہاؤس میں زندگی محسوس ہوتی تھی ورنہ سچ تو یہ تھا کہ آفاق کے جانے کے بعد یہ گھر ویرانے کا منظر پیش کرتا تھا لیکن علیزے نے کم عمری کے باوجود بہت بہادری سے نہ صرف مشیت ایزدی کو قبول کیا بلکہ اپنی ماں اور چھوٹے بھائیوں کو بھی سنبھالا تھا۔

"سنیعہ کہاں ہے بلاؤ اسے کیا ابھی سے کچن میں گھس گئی ہے۔" قدسیہ نے بھاوج کے متعلق استفسار کیا تھا۔

"جی جناب! اتنے دنوں بعد تو آپ آئی ہیں۔ ماما آپ کے لیے آج کی افطاری پر زبردست سا اہتمام کرنے لگی ہیں۔ فی الحال تو راجو کو سامان کی لسٹ بنا کر دے رہی ہیں۔" علیزے گھریلو ملازم کا نام لیتے ہوئے بتایا۔

"ابھی تو افطار میں بہت وقت پڑا ہے۔ اسے منع کرو' زیادہ تکلف کرنے کی ضرورت نہیں۔ آج کل تو پانی ہی زیادہ پیا جاتا ہے۔ کھایا کب جاتا ہے جو دال سبزی پکانے کا پروگرام تھا وہی پکالو۔" قدسیہ نے رسانیت سے کہا۔

"توبہ کریں پھپھو! یہ جو آپ کے دونوں بھتیجے ہیں دال سبزی یہ عام دنوں میں نخرے کر کے حلق سے اتارتے ہیں۔ رمضان میں تو ان کی فرمائشی لسٹ لمبی سے لمبی ہو جاتی ہے۔" علیزے نے مسکراتے ہوئے بولی۔

"ہیں کہاں دونوں شیطان۔" قدسیہ نے مسکراتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔

"اسکول سے آتے ہی سو گئے ہیں۔ روزے رکھ کر جیسے ہم پر احسان کر رہے ہیں کسی کام کے نہیں رہے۔ سارا دن سوتے رہتے ہیں۔"

"ابھی ہیں بھی تو چھوٹے پھر گرمیوں کے روزے سخت ہیں بیٹا!" قدسیہ نے ان کی طرف داری کی۔

"پتا نہیں پھپھو! ہم لڑکیاں بھی تو ہیں ہماری روٹین پر تو زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ وہ حسیب صاحب انہیں بھی روزہ بہت لگتا ہے جب سے رمضان شروع ہوا ہے، ایک بار شکل نہیں دکھائی۔ پہلے سنڈے کے سنڈے آجاتا تھا۔ اپنے سارے نوٹسوں کا پلندہ تو میرے حوالے کر دیا تھا لیکن مجھے اس کی رائٹنگ کب سمجھ میں آتی ہے ڈاکٹروں کی تعریف پر سو فی صد پورا اترتا ہے۔ اتنی خراب رائٹنگ جب تک اس کا لکھا اسی سے نہ پڑھواؤں تو کچھ پلے نہیں پڑتا۔ ہاں سمجھاتا بہت اچھا ہے۔ سچ پھپھو اکیڈمی میں تو میں بس وقت گزاری کے لیے جاتی ہوں۔ فائدہ صرف مجھے حسیب سے پڑھ کر ہی ہوتا ہے۔" اس نے فراخ دلی سے تسلیم کیا تھا۔ قدسیہ مسکرادیں۔

حسیب میڈیکل کے سیکنڈ ایئر میں تھا۔ ان کے بچوں میں سب سے زیادہ ذہین۔ خاندان کا پہلا ڈاکٹر بننے جا رہا تھا اور علیزے اس کا ریکارڈ توڑنے کے لیے بہت پر عزم تھی۔ ایف ایس سی پری میڈیکل کے فرسٹ ایئر میں اس نے بہت اچھے نمبر حاصل کیے تھے اور اب سیکنڈ ایئر میں بھی وہ سخت محنت کر رہی تھی۔

"مجھے لگتا ہے پھپھو میرے فرسٹ ایئر کے نمبر دیکھ کر حسیب جیلس ہو رہا ہے۔ کہیں اسی لیے تو مجھے پڑھانے سے ہاتھ نہیں کھینچ رہا۔" اس نے رازداری سے پوچھا تھا قدسیہ کو اس کے انداز پر ہنسی آگئی۔

"نہیں بیٹا! آج کل وہ بے چارہ خود پڑھائی میں [...] طرح مصروف ہے۔ سیکنڈ ایئر کی پڑھائی اسے [...] ٹف لگ رہی ہے۔"

"پھپھو! وہ تو بہت لاپروا سا ہے آپ۔ بس اس [...] سارے نوٹس سنبھال کر رکھیے گا۔ آخر کو وہ میرے [...] کام آئیں گے۔" علیزے میڈیکل کالج میں داخلے [...] کے لیے بہت پرامید تھی۔ قدسیہ نے مسکراتے ہوئے اقرار میں گردن ہلا دی۔ اتنے میں سنیعہ بھی چلی [...] تھیں۔

"جاؤ علیزے! دونوں بھائیوں کو اٹھاؤ، ان کے [...] آنے والے ہیں۔ نہا دھو کر فریش ہو جائیں گے۔" انہوں نے علیزے کو مخاطب کیا۔

علیزے ماں کی بات سن کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ گئی۔

"اور سنائیں قدسیہ باجی! گھر میں سب کیسے ہیں؟ بس روزوں کی وجہ سے گھر سے نکلنا نہیں ہو رہا ورنہ بچے تو کب سے کان کھا رہے تھے کہ پھپھو کی طرف چلنا ہے۔" سنیعہ کی بات سن کر قدسیہ مسکرادیں۔

"آنا تو میں نے بھی تھا تمہاری طرف پر سوچتے سوچتے مہینوں گزر گئے۔" قدسیہ نے لمبا سانس کھینچتے ہوئے خود کلامی سی کی۔

میں آج تم سے کچھ مانگنے آئی ہوں سنیعہ۔" قدسیہ نے تمہید باندھنے کے بجائے سیدھی طرح بات کا آغاز کیا۔

"سعد کے لیے علیزے کا ہاتھ مانگ رہی ہوں اور جواب دیتے وقت یہ پہلو بھی ضرور ذہن میں رکھنا کہ یہ آفاق کی آخری خواہش بھی تھی۔"

"لیکن سعد کی بات تو اپنے چچا کی طرف "تقریباً" طے ہی ہے۔" سنیعہ حیران ہوئیں۔

"وہ معاملہ ختم سمجھو۔ ہمارے اپنے گھر کا معاملہ تھا۔ میری خواہش جان کر اماں سمیت سب راضی ہو گئے ہیں۔" انہوں نے سبھاؤ سے بات بتائی یہ اور بات کہ سارہ اور سعد کی شکلیں ذہن میں آتے ہی دل ایک

لمحے کو ڈوبا ضرور تھا۔

"سعد بھی راضی ہے؟" سنیعہ نے کچھ اچنبھے سے پوچھا۔

"میں نے کہا نا کہ ہمارے گھر میں سب راضی ہیں اور سعد میرے گھر کا ہی فرد ہے۔"

انہوں نے سنیعہ کو اطمینان دلایا۔ جانتی تھیں کہ بیٹی کی ماں کے ذہن میں سو طرح کے خدشے ابھرتے ہیں لیکن انہیں یہ بھی یقین تھا کہ ان کا سعد ان کا مان کبھی نہ توڑے گا۔

"پھر میں تمہاری خاموشی سے کیا سمجھوں۔" انہوں نے بھاوج کو جانچتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔

"قدسیہ باجی! آپ نے اچانک ایسی بات کر دی ہے جس کا میں کبھی سوچ بھی نہ سکتی تھی۔ ہر ماں کی طرح میں بھی اپنی بیٹی کے مستقبل کے حوالے سے پریشان رہتی ہوں۔ میری علیزے کو جانے کیسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا۔ آفاق ہوتے تو اور بات تھی۔ الحمد اللہ کہ وہ اپنی زندگی میں ہمارے لیے اتنا چھوڑ گئے کہ ان کے بعد کبھی کسی مالی پریشانی سے واسطہ نہیں پڑا لیکن ویسے تو زندگی کے ہر قدم پر ان کی کمی محسوس ہوتی ہے اور سچ پوچھیں تو آپ کے سعد میں مجھے آفاق کی جھلک نظر آتی ہے۔ وہ اپنے ماموں سے بے حد مشابہت رکھتا ہے۔ میرے دل میں اس کی جگہ کا تعین کرنے کے لیے ایک یہ ہی وجہ کافی ہے۔ وہ مجھے بہت عزیز ہے بہت پیارا۔ اتنی سلجھی ہوئی شخصیت ہے اس کی کہ میں اپنی بیٹی کا ہاتھ آنکھیں بند کر کے اس کے ہاتھ میں دے سکتی ہوں۔ سوچنے کے لیے ایک لمحے کی مہلت لیے بغیر لیکن...." انہوں نے جھجکتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"لیکن سنیعہ؟" قدسیہ نے بے تابی سے پوچھا۔

"میں خود ایک ٹیچر ہوں قدسیہ باجی! بچوں کو ہر گھڑی اعلا اخلاقی اصولوں اور اقدار کا سبق پڑھانے والی۔ میرا ضمیر مجھے اس خود غرضی کی اجازت نہیں دیتا کہ میں اپنی بچی کا گھر بسانے کے لیے اسی جیسی ایک اور بچی کی پلکوں پر سجے خواب اجاڑ دوں۔ بچپن سے اس نے اپنے نام کے ساتھ سعد کا نام سنا ہے۔ میرا اور رفعہ بھابھی کا جب بھی سامنا ہوا گفتگو میں ایک دو بار ضرور اس موضوع پر بھی بات ہوئی۔ وہ اپنی بیٹی اور سعد کی نسبت پر ہمیشہ ہی بہت مطمئن اور خوش لگیں۔ آپ کے بچوں نے بھی ہمیشہ سارہ کا تعارف اپنی ہونے والی بھابھی کی حیثیت سے کروایا۔ وہ بچی شرما جاتی تھی لیکن میں اس کے چہرے پر پھیلتے رنگوں سے واقف ہوں۔ میں پھر کس طرح اتنے بہت سے لوگوں کے دل توڑ کر اپنی علیزے کے مستقبل کی بنیاد رکھ سکتی ہوں۔" سنیعہ بے بسی سے بولیں۔

"تمہاری سب باتیں بجا سنیعہ لیکن میں نے بات کے آغاز میں تم سے کہا تھا کہ جواب دیتے وقت یہ پہلو ضرور حد نظر رکھنا کہ آفاق کی آخری خواہش یہی تھی جب میں بہن ہو کر اس کی خواہش کا پاس رکھ رہی ہوں تو کیا تمہیں مرحوم شوہر کی خوشی اور خواہش کا کوئی پاس نہیں۔"

قدسیہ کے لہجے میں گویا برسوں کی تھکن سمٹ آئی تھی۔

"آپ نے مجھے دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے قدسیہ باجی مجھے سوچنے کے لیے تھوڑا وقت چاہیے۔" وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوئیں تو قدسیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ان دو عورتوں نے آفاق سے ٹوٹ کر محبت کی تھی۔ بھائی کی محبت نے قدسیہ سے ایک مشکل فیصلہ کروا لیا تھا اور وہ جانتی تھیں سنیعہ سوچنے کی جتنی مرضی مہلت لے لیں۔ جواب انہوں نے اثبات میں ہی دینا تھا۔

☆ ☆ ☆

رمضان کا آخری عشرہ چل رہا تھا۔ سارہ ہر دفعہ کی طرح عید کی تیاریوں میں مشغول تھی۔ آہستہ آہستہ گھر کی تفصیلی صفائی کا کام بھی جاری تھا۔ کبھی کبھار ماں کے ساتھ بازار کا بھی چکر لگا لیتی۔ کوکنگ شوز دیکھ کر نت نئی ترکیبیں ٹرائی کرنے کا جو سلسلہ شروع رمضان سے جاری تھا۔ وہ اب بھی تعطل کا شکار نہ ہوا۔ رفعہ

اور جہاں آرا اسے معمول کے کاموں میں مصروف دیکھ کر مطمئن تھے یا وہ بھی صرف مطمئن ہونے کا تاثر دے رہے تھے۔ آخری عشرے کی مبارک راتوں میں سب ذوق و شوق سے عبادات کا اہتمام کرتے تھے۔ اس بار سارہ انتہائی خضوع و خشوع سے نوافل ادا کرتی اور پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی تو پلکیں بھیگ بھیگ جاتیں۔

"اے اللہ اگر وہ کسی اور کا نصیب ہے تو میرے دل و دماغ سے اس کا خیال حرف غلط کی طرح مٹا دے۔ مجھے اس کا بہتر نعم البدل دے۔ میرے دل کو صبر اور قرار دے۔ حسد کی آگ سے مجھے بچالے۔ ہمارے پورے گھرانے کی محبتیں اسی طرح قائم و دائم رہیں۔ میرا دل اس کے معاملے میں بے اختیار ہوا جاتا ہے لیکن اللہ جی میں زبان پر کوئی حرف شکایت نہیں لاتی۔ اگر میرے دل میں کبھی کوئی شکوہ پیدا ہو تو اے اللہ میں اس معاملے میں بے بس ہوں۔ مجھے معاف کر میری خطاؤں سے در گزر کر۔ مجھے صبر دے مالک قرار دے۔ دنیاوی محبت نہ ملنے پر تیرے سامنے گریہ و زاری کرتے ہوئے میرا دل شرمندگی سے ڈوب مرنے کو کرتا ہے۔ خالق کائنات! اس دل میں اپنی محبت ڈال دے۔ اپنی رضا میں راضی ہونے کی توفیق دے۔"

پلکوں سے موتی گرتے رہتے اور وہ رات کی تنہائی میں اپنا دکھ اپنے حقیقی راز دار کو سناتی۔ حیرت انگیز طور پر ہر گزرتے دن کے ساتھ دل کو قرار ملتا جا رہا تھا۔

گیٹ پر اس تواتر سے بیل ہو رہی تھی کہ لگتا تھا، کوئی گھنٹی پر انگلی رکھ کر ہی بھول گیا ہے۔ دوپہر بارہ بجے کا وقت تھا۔

"اس وقت کون ہے۔" قدسیہ حیران ہوتی گیٹ کھولنے بڑھیں گھر میں اس وقت حسیب بھی تھا۔ لیکن وہ سو رہا تھا۔ بہت دنوں بعد اس نے کالج سے چھٹی کی تھی۔ میڈیکل کی ٹف پڑھائی کی وجہ سے اسے آرام کا موقع کبھی کبھار ہی ملتا تھا۔ قدسیہ دن چڑھے تک بچوں کے سونے کے خلاف تھیں لیکن حسیب کو اس معاملے میں خاص رعایت حاصل تھی۔

بعجلت گیٹ کھولنے اس لیے گئی تھیں کہ کہیں تیز آواز حسیب کی نیند میں خلل نہ ڈالے کہ اس کی نیند بہت کچی تھی۔ گیٹ کھولنے پر جو صورت سامنے نظر آئی قدسیہ کو اس کی ہرگز توقع نہ تھی۔ یونیفارم گلابی دوپٹے میں گرمی سے لال بھبھوکا چہرہ لیے علیزے کھڑی تھی۔

"السلام علیکم پھپھو!" وہ سلام کرتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو۔" قدسیہ نے خوش دلی سے سلام کا جواب دیا۔

"کالج میں اسٹرائیک تھی۔ صرف پہلے دو پیریڈ ہوئے۔ کالج میں بیٹھ کر ڈھائی بجے تک وین کا انتظار کرنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ پھر میری ایک دوست کے ابو لینے آگئے۔ آپ کا گھر ان کے راستے میں پڑتا تھا تو میں نے سوچا یہیں آجاؤں۔ شام کو افطاری کے بعد سعد بھائی یا حسیب گھر چھوڑ آئیں گے۔ بس امی کو فون کر دیا اور اپنی دوست کے ساتھ آگئی۔ مین روڈ پر ڈراپ کر گئے ہیں وہ لوگ اور یہ آپ کی چند قدم کی گلی کراس کرنا مشکل ہو گیا۔ توبہ کتنی گرمی ہے پھپھو۔" علیزے عادت کے مطابق نان اسٹاپ شروع ہو چکی تھی۔

"اچھا آؤ، بیٹھو سانس تو لو، روزہ نہ ہوتا تو تمہیں پانی وغیرہ پلاتی۔"

"پانی کی صحیح قدر روزے میں ہی معلوم ہوتی ہے۔ سچ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے پانی۔ شکر ہے تھوڑے سے روزے رہ گئے۔ مجھ سے پیاس برداشت ہی نہیں ہوتی پھپھو۔" علیزے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔

"نیک لوگ رمضان جانے کے غم میں روتے ہیں کہ جانے اگلا رمضان نصیب بھی ہو گا یا نہیں اور تم جیسے شکر مناتے ہیں۔ شرم کرو۔" جانے حسیب کب اٹھا تھا۔ علیزے نے بھی حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "چلو میں نے تو شرم کرلی، لیکن تم بھی شرم کرو، جوان جہان بیٹے کے ہوتے ہوئے پھپھو اتنی گرمی میں

روزے کی حالت میں اتنی دور گیٹ کھولنے گئیں۔ تمہارے پاؤں میں مہندی لگی تھی کیا؟"

"میں سو رہا تھا۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"اب کیسے اٹھ گئے؟" علیزے نے چمک کر پوچھا۔

"تمہاری آواز کسی صور اسرافیل سے کم ہے کیا۔ جگا دیا مجھے۔"

"اچھا اب جاگ ہی گئے ہو تو ہاتھ منہ دھو کر اچھے بچوں کی طرح کنگھا بھی کرلو۔ اتنے ڈراؤنے لگ رہے ہو ان کھڑے بالوں میں۔"

"یہ اسٹائل ہے۔" اس نے جیسے اس کی عقل پہ ماتم کیا۔

"خاک اسٹائل ہے جیسے کسی نے بالوں میں بم پھوڑ دیا ہو۔" علیزے نے ناک چڑھا کر کہا۔ قدسیہ مسکراتے ہوئے باہر چلی گئیں۔ پتا تھا کہ علیزے اور حسیب دیر تک اسی طرح چونچیں لڑاتے رہیں گے۔ ان کے جانے کے بعد علیزے نے حسیب کو سنجیدگی سے مخاطب کیا تھا۔

"میں نے پھپھو سے جھوٹ بولا ہے کہ کالج میں اسٹرائیک تھی۔"

"کیوں؟" حسیب نے گھورا۔

"تمہیں پتا ہے پھپھو ہمارے گھر آئی تھیں۔"

"جانتا ہوں۔" حسیب نے نگاہیں چرائیں۔

"وہ میرے لیے سعد بھائی کا رشتہ لائی ہیں۔" علیزے نے احتجاجی انداز میں بتایا۔

"اوفوہ۔ پھر تو تمہارا ادب کرنا پڑے گا۔ بھابھی جان جو بن جاؤ گی۔" حسیب نے مذاق کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے چہرے نے الفاظ کا ساتھ نہ دیا۔

"مجھے خواب دکھا کر اب یہ کہہ رہے ہو، شرم سے ڈوب مرو۔" علیزے نے غصے سے پاس پڑا کشن اٹھا کر اسے دے مارا۔

"خدا کا نام لو علیزے! میں نے تمہیں کب دکھائے۔" حسیب کے تو پسینے چھوٹ گئے۔ اس نے گھبرا کر دروازے کی سمت دیکھا کہ کہیں قدسیہ نہ آرہی ہوں۔

"شرافت اور بزدلی میں بہت معمولی سا فرق ہوتا ہے حسیب! میں آج تک تمہیں شرافت کا مارجن دیتی رہی، لیکن تم تو نرے بزدل نکلے۔" علیزے کی آواز بھرا گئی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا، تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔" حسیب نے پست آواز میں اسے مخاطب کیا۔

"تم مجھے پسند کرتے ہو یا نہیں؟" علیزے نے آنسو پونچھتے ہوئے دوٹوک انداز میں پوچھا۔

"تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ یہ کوئی وقت اور جگہ ہے۔ امی کسی بھی وقت آسکتی ہیں۔" حسیب نے اسے احساس دلایا۔

"میں پوچھ رہی ہوں حسیب! تم مجھے پسند کرتے ہو یا نہیں؟" علیزے نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ تھی اور اسی لمحے حسیب کو دروازے کے پاس قدسیہ کے دوپٹے کی جھلک نظر آئی۔

"پلیز علیزے۔" حسیب نے آنکھوں سے اشارہ کیا تھا۔

علیزے نے اس کی آنکھوں کی سمت دیکھا۔ قدسیہ کے دوپٹے کی جھلک یقیناً اس نے بھی دیکھ لی تھی۔ لیکن اسے جیسے اس بات سے کوئی فرق ہی نہ پڑا۔ اس نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

"تم میری کزن ہو۔ میں تمہیں ناپسند کیوں کرنے لگا۔" حسیب نے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا تھا۔

"میں صرف تمہاری کزن ہوں۔" علیزے نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔ حسیب چپ رہا۔

"تم اتنے کنجوس کہ کسی فقیر کو دس روپے دینے سے پہلے دس بار سوچتے ہو اور ہر دوسرے دن سیکڑوں روپے کا پیٹرول پھونک کر شہر کے ایک کونے سے دوسرے کونے مجھے پڑھانے جاتے رہے۔ اپنی اتنی ٹف پڑھائی کے باوجود آدھی آدھی رات تک جاگ کر میرے نوٹس بناتے ہو۔ میری برتھ ڈے پر مجھے سب سے پہلا مبارک باد کا مسیج تمہارے نمبر سے آتا ہے مستقبل کے بارے میں جب بھی تم نے کوئی بات کی تو

صرف اپنا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ مجھے بھی اپنے ساتھ رکھا۔ تم ڈاکٹر بن جاؤ گی تو ہم اکٹھے اسپتال چلائیں گے۔ ہم ورلڈ ٹور پر جائیں گے علیزے! ہم یہ کریں گے' ہم وہ کریں گے اور پھر تم کہتے ہو کہ میں صرف تمہاری کزن ہوں؟ کس حیثیت سے تم مجھے دنیا گھمانے اپنے ساتھ لے کر جانا چاہ رہے تھے مسٹر حسیب احمد؟" وہ پھٹ پڑی تھی۔

تب ہی ہی قدسیہ اندر داخل ہوئیں۔ ان کا چہرہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔ حسیب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

"حسیب! گوشت لا دو۔ تمہارے ابو کہہ گئے تھے آج بھنڈی گوشت بنانا ہے۔" قدسیہ نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔

وہ اتنا حواس باختہ ہو رہا تھا کہ سر ہلاتے ہوئے فوراً" اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد قدسیہ نے علیزے کو دیکھا۔ وہ کارپٹ پر بیٹھی گھٹنوں میں سر دیے روئے جا رہی تھی۔

"شرم و حیا لڑکیوں کا زیور ہوتا ہے علیزے! جو بھی بات تھی۔ تمہیں مجھ سے کرنی چاہیے تھی۔ اپنی بھتیجی کی آج کی گفتگو سن کر میرا دل دکھ سے بھر گیا ہے۔"

"پھپھو۔" علیزے نے تڑپ کر سر اٹھایا تھا۔ "میں بے شرم لڑکی نہیں ہوں پھپھو! اپنا وقار اور بھرم مجھے بھی بہت عزیز ہے۔ لیکن صورت حال جس نہج پر پہنچ گئی ہے' میرے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔" وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"اچھا رونا بند کرو' تسلی' سکون سے بھی بات کی جا سکتی ہے۔" قدسیہ کو اس کے آنسو تکلیف دے رہے تھے۔ علیزے نے آہستگی سے آنسو پونچھ ڈالے۔

"پرسوں مجھے امی نے بتایا تھا یقین جانیے مجھے شدید ترین شاک لگا۔ پھپھو آخر آپ نے میرے اور سعد بھائی کی شادی کے متعلق سوچ بھی کیسے لیا۔" ہمیشہ کی صاف گو علیزے گھما پھرا کر تو بات کرنا جانتی ہی نہ تھی۔ قدسیہ نے گہرا سانس اندر کھینچا۔

"تمہاری ماں نے پھر تمہیں یہ نہیں بتایا کہ تمہارے مرحوم باپ کی بھی خواہش تھی۔" قدسیہ نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ بابا نے آپ سے یہ بات کی ہوگی۔ آپ کو سمجھنے میں غلطی بھی تو ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ صرف آپ سے یہ ضمانت چاہ رہے ہوں کہ آپ میرا ہمیشہ بیٹیوں کی طرح خیال رکھیں۔ اگر انہوں نے آپ سے مجھے بہو بنانے کی درخواست کی ہوگی تو ضروری نہیں کہ ان کے ذہن میں سعد بھائی ہوں۔ سعد بھائی کے علاوہ بھی تو آپ کا ایک بیٹا ہے۔"

"اپنی خواہش کو میرے بھائی کی خواہش کا نام مت دو علیزے۔ اس نے جو کچھ کہا مجھے اس کا ایک ایک لفظ یاد ہے۔" قدسیہ نے رنجیدگی سے کہا۔ کچھ بھی تھا بھتیجی کی بے باکی انہیں پسند نہ آئی تھی۔

"بابا کی خواہش تھی کہ میں بہت سارا پڑھوں۔ پھر وہ کیسے اتنی جلدی میری شادی چاہ سکتے تھے؟ پھپھو! آپ میری پڑھائی مکمل ہونے کا انتظار کر سکتی ہیں۔ سعد بھائی کے لیے تو شادی کی یہ ہی مناسب عمر ہے۔ لیکن میں... آپ میرا اور ان کا ایج ڈیفرنس تو دیکھیں میں ابھی محض سیکنڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ آپ خود بتاتی ہیں کہ حسیب جو مجھ سے تین سال بڑا ہے آپ دو' چار مہینے بعد اس کی شادی کا سوچ سکتی ہیں؟ نہیں نا ابھی اس کے اسٹیبلش ہونے میں ایک عرصہ پڑا ہے۔ پھر ہم لڑکیاں ذرا سا قد نکالتے کے ساتھ ہی سب کو شادی کے قابل لگنے لگ جاتی ہیں۔ جیسے زندگی پر ہمارا کوئی اختیار ہی نہیں۔ ڈاکٹر بننا میرا ابھی مشن ہے اور میرے بابا کی خواہش بھی۔ آخری نہ سہی' مگر ان کی خواہش تو تھی نا اور جس طرح آپ اپنے بھائی کی خواہش پوری کرنا چاہتی ہیں ویسے ہی میرے لیے میرے بابا کی خواہش اہم ہے۔ میں پانچ' چھ سال سے پہلے شادی کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ آپ سعد بھائی کی شادی انتالیٹ کر سکتی ہیں؟"

علیزے بھی گہری سنجیدگی سے مخاطب تھی۔ قدسیہ نے اس بار کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اسے محض دیکھ کر رہ گئیں۔

"سوری پھپھو! میں جانتی ہوں آپ کو میری باتیں بری لگ رہی ہیں اور کسی ایسے شخص کی آنکھوں میں اپنے لیے خفگی دیکھنا جس نے ہمیشہ آپ پر پیار بھری نگاہ ڈالی ہو بہت مشکل کام ہے۔ لیکن میں کیا کروں۔ اگر میں چپ رہوں گی تو صرف میری زندگی نہیں' بلکہ چار زندگیاں متاثر ہوں گی۔ میری' سارہ کی' حسیب کی اور سعد بھائی کی۔ ہم سب کے سب ہمیشہ غیر مطمئن رہیں گے۔

"سارہ بہت صابر بچی ہے۔ وہ تمہاری طرح شور مچاتی یہاں نہیں آئی۔ حالانکہ سب سے زیادہ متاثر وہ ہوئی ہے۔ بچپن سے اس نے اپنے نام کے ساتھ سعد کا نام سنا ہے۔ پسند کرتے ہیں وہ ایک دوسرے کو۔ پھر بھی اس نے نہایت صبر سے کام لیتے ہوئے یہ فیصلہ قبول کر لیا ہے۔"

"میں بھی تو یہ ہی کہنا چاہ رہی ہوں پھپھو کہ کیا سارہ جیسی اچھی لڑکی یہ ڈیزرو کرتی ہے جو ان کے ساتھ ہونے جا رہا ہے۔ اگر آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں حسیب کی وجہ سے یہ سب کر رہی ہوں تو میرا یقین کریں پھپھو میں حسیب سے مکمل طور پر دستبردار ہوتی ہوں۔ مجھے اپنی باقی زندگی میں اس سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ لیکن میں سارہ اور سعد بھائی کے درمیان قطعی نہیں آ سکتی۔ حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ بابا بھی اس بات سے واقف تھے۔ پھر انہوں نے کس طرح آپ سے یہ بات کی۔"

وہ پہلے حیران پھر سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"شاید بابا کو اندازہ ہو گیا تھا کہ زندگی ان سے روٹھنے والی ہے اور وہ مجھے صرف محفوظ ہاتھوں میں دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ اور بس... حسیب تو انہیں بچہ لگتا ہوگا۔ اس لیے ان کے ذہن میں سعد بھائی کا نام آیا۔ حالانکہ میرا اور سعد بھائی کا تو کوئی میچ ہی نہیں۔"

وہ روہانسی ہو گئی تھی۔ قدسیہ اب خاموشی سے اسے سنے جا رہی تھیں۔

"سعد بھائی آپ کے بہت فرماں بردار بیٹے ہیں پھپھو بلکہ آپ کے سب بچے ہی آپ کے بہت فرماں بردار ہیں۔ وہ آپ کی بات مان کر خدانخواستہ مجھ سے شادی تو کر لیں گے۔ لیکن ہمیشہ ایک ان چاہی زندگی گزاریں گے۔ آپ خود بتائیں میں ایک شخص کی زندگی میں کمپرومائز کے تحت کیوں شامل رہوں۔ اور میں پھر کہہ رہی ہوں کہ بھلے سے آپ مجھ جیسی منہ پھٹ لڑکی کو حسیب کے لیے نہ منتخب کریں۔ مگر جو بھی کوئی اور شخص میری زندگی میں شامل ہوگا۔ وہ کم از کم مجھ سے مخلص تو ہوگا۔ سعد بھائی کی ماضی کی محبت سے واقف ہوتے ہوئے میں کیسے ان کے ساتھ خوشگوار زندگی گزار پاؤں گی اور پھر حسیب' ہم کبھی بھی ایک دوسرے کا سامنا نہیں کر پائیں گے اور آج کے بعد تو بالکل نہیں۔ شاید آپ صحیح کہتی ہیں کہ لڑکیوں کو شرم و حیا کے دائرے میں رہ کر بات کرنی چاہیے۔ میں بلاوجہ اس کے سر پڑ گئی تھی۔"

بول بول کر علیزے کی توانائیاں ختم ہو چکی تھیں۔ وہ آنسوؤں سے تر چہرے اور سوکھے ہونٹوں کے ساتھ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ گویا اب بولنے کے لیے ایک لفظ نہ بچا ہوا۔

"سوری پھپھو! آپ سے جو بھی بدتمیزی کی' اس کے لیے معاف کر دیجئے گا۔"

کچھ لمحوں کے توقف کے بعد اس نے پھر قدسیہ کو مخاطب کیا۔ قدسیہ نے ایک نظر اس کے تمتماتے ہوئے چہرے پر ڈالی۔ گلابی رنگت' بڑی بڑی بھیگی پلکیں' ستواں ناک' چہرے پر کم عمری کا بھولپن' وہ واقعی ابھی بہت چھوٹی تھی۔ کم عقل اور ناسمجھ' حد سے زیادہ جذباتی' لیکن پھر بھی ان کا خون تھی۔ ان کے مرحوم بھائی کی بے حد لاڈلی بیٹی اور انہیں بھی جان سے بڑھ کر پیاری بالکل اپنی سگی اولاد جیسی۔ اس کا آج کا طرز عمل نامناسب سہی' مگر اس بے وقوف سی لڑکی کی سب باتیں تو غلط نہ تھیں۔

"اور جہاں تک میرے بابا کی خواہش کا تعلق ہے

پھپھو تو میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میرے بابا کی روح کو اس بات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ بلکہ اگر آپ نے ان کی خواہش کو پورا کر ڈالا تو وہ ہمیشہ مضطرب رہیں گے۔ کیونکہ میرے بابا میری آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اگر میں ناخوش رہوں گی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ بابا کو سکون نصیب ہو گا۔"

وہ اب خود کلامی کے انداز میں بول رہی تھی اور اتنی دیر سے خاموش بیٹھی قدسیہ نے مضطرب ہو کر پہلو بدلا۔ انہوں نے کیسے اس حقیقت کو فراموش کر دیا کہ آفاق کی علیزے میں جان تھی۔ آفاق واقعی اپنی لاڈلی کی آنکھ میں آنسو دیکھ کر تڑپ جاتا تھا۔

"یہاں آؤ علیزے میرے پاس۔" انہوں نے اسے پاس بلایا۔

"تمہارا باپ میرا بھائی تھا۔ مگر میں نے اسے ماں بن کر پالا ہے اور تم اس کی اولاد ہو۔ آفاق کو جتنی تم سے محبت تھی، مجھے اندازہ ہے اور تم اس کی نشانی ہو اور مجھے کتنی عزیز ہو تم چاہو بھی تو اس کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔" قدسیہ کی آواز بھرا گئی تھی۔

"پھپھو۔" علیزے ان سے لپٹ گئی تھی اور ذرا دیر بعد حبیب خالی ہاتھ آیا تو دونوں پھوپھی، بھتیجی ایک دوسرے سے لپٹی آنسو بہانے میں مصروف تھیں۔

"گوشت کی دکان بند ہو گئی۔" اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں مطلع کیا تھا۔

"کھلی بھی ہوتی تو کوئی فائدہ نہیں تھا۔ تم پیسے لے کر جانا بھول گئے تھے۔" قدسیہ نے نم آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہا۔

حبیب نے خجل ہو کر سر کھجایا تھا۔

اس کی بوکھلائی ہوئی شکل دیکھ کر علیزے اپنی مسکراہٹ پر قابو نہ رکھ پائی تھی۔ اس کے روئے روئے چہرے پر مسکراہٹ اتنی پیاری، اتنی خوب صورت لگی کہ حبیب کو نگاہیں چرانے پڑ گئیں۔ قدسیہ نے ایک نگاہ علیزے پر ڈالی اور دوسری حبیب پر۔

نٹ کھٹ، جذباتی، مگر صاف شفاف دل کی مالک علیزے، ان کی بہت پیاری بھتیجی اور شاید ہونے والی چھوٹی بہو بھی اس کی جس جذباتیت اور انداز پر پہلے انہیں غصہ آ رہا تھا۔ اب وہ دل ہی دل میں شکر ادا کر رہی تھیں کہ علیزے کی وجہ سے انہیں صورت حال کو سمجھ کر صحیح فیصلے پر پہنچنے کا موقع ملا۔ مطمئن تھیں اور بے تحاشا خوش بھی۔ لیکن اس خوشی میں بہت سے اور لوگوں کو بھی شامل کرنا تھا وہ جو ان کے اپنے تھے اور آج کل بہت رنجیدہ اور پریشان بھی۔ قدسیہ اپنا سیل فون لینے کمرے میں گئیں۔ رفیعہ کے نمبر سے بہت سی مسڈ کالز آئی ہوئی تھیں۔

"الٰہی خیر۔" انہوں نے پریشان ہو کر فوراً نمبر ملایا تھا۔

☼ ☼ ☼

رفیعہ، قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ جب سارہ ان کے پاس آکر بیٹھی۔

"کیا بات ہے سارہ۔" انہوں نے سپارہ ختم کر کے پیار سے دریافت کیا۔

"امی! ایک بات کہوں۔ مانیں گی؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"اپنی بیٹی کی بات نہیں مانوں گی تو کس کی مانوں گی۔"

"اس بار نہ تایا ابو کے گھر سے ہمیں افطار پر بلایا گیا نہ ہم نے انہیں مدعو کیا۔" سارہ نے رک رک کر کہا تھا۔

"پھر؟" رفیعہ سنجیدہ ہوئیں۔

"کیا دونوں گھرانوں کا رشتہ غرض پر قائم تھا امی؟" سارہ رنجیدہ ہوئی تھی۔

"نہیں بیٹے؟" رفیعہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "بھائی بھائی کا رشتہ اٹوٹ ہوتا ہے۔ خون کے بندھن اتنے کچے نہیں ہوتے کہ ان معمولی باتوں پر ٹوٹ جائیں۔ یہ قسمتوں کے کھیل ہیں جس کے آگے انسان بے بس اور مجبور ہوتا ہے۔"

"دادی جان بہت اداس رہنے لگی ہیں امی! پہلے سے آپ نے اور بابا نے کہہ دیا کہ آپ لوگوں کو تایا جان کی فیملی سے کوئی شکایت نہیں، لیکن آپ کو اس کا عملی ثبوت دینا ہو گا۔ اگر چاند ہو گیا تو آج آخری روزہ ہو گا۔ آپ انہیں فون کر کے افطاری پر مدعو کریں۔ میں نہیں چاہتی امی کہ اس بات کی وجہ سے دادی جان کے دونوں بیٹوں کے گھروں میں وقتی دوری بھی پیدا ہو۔"

رفیعہ بیٹی کو دیکھ کر رہ گئیں۔ اتنی متانت، اتنی سمجھ داری یہ ان کی بے وقوف سی سارہ کا کون سا روپ تھا۔ انہوں نے بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی۔

لیکن پھر قدسیہ کے نمبر پر بہت بار ٹرائی کرنے کے باوجود کسی نے کال اٹینڈ نہ کی۔

"بھابھی ہو سکتا ہے مصروف ہوں۔ میں کچھ دیر بعد ٹرائی کر لوں گی۔" رفیعہ نے سارہ کی مایوس شکل دیکھ کر تسلی دی، مگر اسی لمحے ان کے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دوسری طرف قدسیہ تھیں۔ پریشان اور متفکر کہ رفیعہ نے کال کیوں کی ہے۔

"سب خیریت ہے بھابھی، بس آپ کو افطاری پر مدعو کرنا تھا۔" رفیعہ نے کوشش کی تھی کہ ان کا لہجہ بالکل پہلے جیسا ہو۔ گرم جوشی اور اپنائیت سے بھرپور۔

"رفیعہ! میری طرف سے معذرت۔ بہت سارا کام باقی ہے۔ ابھی سعد کی دلہن کے لیے عید کا جوڑا اور چوڑیاں بھی لینی ہیں۔ ان شاء اللہ عید ملنے آئیں گے۔"

"ٹھیک ہے بھابھی! جیسے آپ کی مرضی۔"

رفیعہ بدقت مسکرائی تھیں۔ شاید وہ توقع کر رہی تھیں کہ قدسیہ شرمندگی کا اظہار کریں گی۔ جہاں آرا بیگم کی زبانی بات ختم ہونے کا پتا چلنے کے بعد یہ ان کی پہلی ٹیلی فونک گفتگو تھی۔

☼ ☼ ☼

آج چاند رات تھی۔ ہر دفعہ کی چاند رات اور اس بار کی چاند رات میں بہت فرق تھا۔ ہر دفعہ سارہ رمضان المبارک کے اختتام پر شکر کا سانس لیتی تھی۔ وہ بھوک کی کچی تھی اور پچھلے ایک، دو برسوں سے تو روزے اتنے سخت تھے کہ بھوک سے زیادہ پیاس کی شدت نڈھال کر دیتی تھی۔ روزے چھوڑنے کا اس گھر میں کوئی تصور نہ تھا۔ مگر آج دل کی حالت ہی عجیب تھی۔ رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ ختم ہو چکا تھا۔ کل عید تھی۔ اللہ کے روزے دار بندوں کو رب کی جانب سے ملنے والا انعام، خوشی کا تہوار، مگر نعمتوں، برکتوں اور سعادتوں کا مہینہ تو ختم ہو چکا تھا۔ اس کے دل میں عجیب سی بے کلی چھا رہی تھی۔ دادی جان بھی یہاں نہ تھیں۔ سعد دو دن پہلے انہیں آکر لے گیا تھا تو وہ وہیں رک گئی تھیں۔

"کیا مجھے جو صبر ملا، وہ عارضی تھا۔" اس نے خود سے پوچھا، مگر اندر اترتے سناٹوں سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ اس نے قصداً خود کو گھر کے کاموں میں الجھایا۔ اپنے اور امی، بابا کے کپڑے پریس کیے۔ گھر کی تفصیلی صفائی تو پہلے ہی کر چکی تھی۔ پردے، کشن کورز اور بیڈ شیٹس وغیرہ تبدیل کیں۔ پھر کچن میں رفیعہ کی مدد کو چلی گئی۔ چنا چاٹ اور دہی بھلے رفیعہ رات کو بنا کر فریج میں رکھ دیتی تھیں۔ میٹھے میں شمس الحسن کو کھیر پسند تھی، سو کھیر کے ڈونگے بھی ٹھنڈے ہونے کے لیے رات کو فریج کی زینت بن جاتے تھے۔ عید کی صبح کے لیے کوئی قابل ذکر کام نہ ہوتا تھا۔ آس پڑوس سے شمس الحسن صاحب کے کچھ دوست احباب عید ملنے آجاتے۔ پڑوس کی کچھ خواتین رفیعہ کی شناسا تھیں۔

سارہ مہمانوں کی جلد رخصتی کی منتظر ہوتی، کیونکہ اس کے بعد انہوں عید ملنے تایا جان کی طرف جانا ہوتا۔ عید کا پورا دن وہ وہیں گزارتے تھے۔ رفیعہ اور قدسیہ کچن سنبھال کر پرتکلف کھانے کا اہتمام کرتیں۔ عید کے دن انعم اور سارہ کو ماؤں کی طرف سے خصوصی رعایت تھی۔ بچوں کے لیے عید صرف انجوائے کرنے کا نام تھا۔ عموماً سعد کی ماموں کی فیملی بھی آجاتی تھی۔ علیزے اس سے کافی چھوٹی تھی، لیکن وہ

اتنی دلچسپ لڑکی تھی کہ انسان اس کی کمپنی میں بور نہ ہو سکتا تھا۔ اس کی اور حبیب کی نوک جھونک سے سب ہی خوب محظوظ ہوتے۔ لیکن اس بار وہ علیزے سے خوش دلی سے کیسے مل پائے گی؟ عید کے دن وہاں نہ جانے کا کیا بہانہ بنائے' ذہن اسی ادھیڑبن میں تھا۔

"سارہ! کیا بات ہے' بیٹے! کن سوچوں میں گم ہو؟" وہ کھیر کی سجاوٹ کے لیے پستے اور بادام کی ہوائیاں کاٹ رہی تھی۔ جب رفیعہ نے اسے مخاطب کیا۔ وہ یک دم چونکی۔

"نہیں امی! کوئی بات نہیں اور بتائیں کیا کام کروں' یہ تو ہو گیا۔" اس نے پلیٹ ایک طرف کھسکائی۔

"اور کوئی کام نہیں۔ بس تم مہندی لگوا لو اب۔ بینش آتی ہی ہو گی۔" بینش پڑوس میں رہتی تھی۔ اکثر شام کو سارہ سے انگلش پڑھنے آتی تھی۔ مہندی لگانے کی ماہر تھی۔ گزشتہ کئی سالوں سے سارہ چاند رات پر اسی سے مہندی لگواتی تھی اور اب بھی اس کا ذکر کرنے کی دیر تھی۔ وہ بوتل کے جن کی طرح نمودار ہو گئی۔

"سارہ باجی! آپ فارغ نہیں ہوئیں ابھی تک' میں تو آپ کو مہندی لگانے آ بھی گئی۔" آج سارہ کا مہندی لگوانے کا ذرا موڈ نہ تھا۔ مگر وہ رفیعہ پر اپنی پژمردگی ظاہر نہ کرنا چاہتی تھی۔

سو مسکراتے ہوئے مہندی لگوانے بیٹھ گئی۔ بینش نے بہت عرق ریزی سے ڈیزائن بنایا تھا۔

"پلیز جلدی مت دھوئیے گا۔" اس نے جاتے جاتے درخواست کی اور رات کو سونے سے قبل جب سارہ نے ہاتھ دھوئے تو مہندی کا رنگ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ جہاں آرا بیگم کہتی تھیں جس کی ہتھیلیوں پر حنا زیادہ رنگ چھوڑ جائے وہ پیا کی من چاہی ہوتی ہے۔ سارہ کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اے اللہ میرے دل کو قرار دے دے۔" رات کو سونے سے پہلے یہ ہی دعا اس کی زبان پر تھی اور پھر وہ کب نیند کی وادیوں میں اتری' پتا بھی نہ چلا۔

☆ ☆ ☆

"جیتی رہو' سدا خوش رہو۔" پاپا عید کی نماز [illegible] آئے تو سارہ نے انہیں سلام کر کے عید کی مبار[کباد] دی تھی۔ جواب میں شمس الحسن نے بے ساختہ [اس] کی پیشانی چوم کر دعا دی' پھر والٹ نکال کر بغیر گنے [کئی] نوٹ اس کی ہتھیلی میں تھما دیے۔

ان کی محبت پر اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

اس نے نہا کر نیا سوٹ تو پہن لیا تھا اور ریلا شیفو[ن] کھلتی ہوئی رنگت پر سبز رنگ بج بھی بہت رہا تھا۔ [مگر] اور کسی سنگھار کا اہتمام نہ کیا تھا۔

"سارہ بیٹے! چوڑیاں تک نہیں پہنیں اور ہلکی [سی] لپ اسٹک ہی لگا لو۔"

"کیوں امی' بنا میک اپ کے اچھی نہیں لگ رہی۔" سارہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"میری بیٹی اتنی پیاری ہے کہ ہر روپ میں اچھی لگتی ہے۔ لیکن بیٹا عید خوشی کا موقع ہے' ذرا سا سنگھار تو بنتا ہے نا آج کے دن۔" انہوں نے پیار سے اسے دیکھا۔

"میں تیار ہونے ہی لگی تھی امی! بس پاپا کی آواز [آئی] تو عید مبارک کہنے آ گئی۔" اس نے ماں کو مطمئن کیا ورنہ آج صبح سے آنکھیں بار بار گیلی ہوئی جا رہی تھیں۔ اتنے میں ہی باہر سے عید مبارک کی کئی آوازیں بیک وقت بلند ہوئی تھیں۔ سارہ کے لیے وہ آوازیں اجنبی نہیں تھیں۔ اس کا دل بے اختیار دھڑک اٹھا۔ باہر جو خوشگوار سا ہنگامہ اچانک برپا ہوا تھا اس کا سبب یقیناً" تایا جان کی فیملی کی آمد تھی۔

"عید مبارک سارہ آپی۔" انعم نے کمرے میں جھانکا۔ سارہ اٹھ کر اس سے گلے ملی۔ حبیب اور علیزے بھی کمرے میں آ پہنچے۔ سارہ کم از کم اس وقت یہاں علیزے کی آمد کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ مگر جب علیزے نے اس سے گرم جوشی سے لپٹ کر عید مبارک کہا تو سارہ نے دل میں خود کو ڈپٹا تھا۔

"جو کچھ ہوا اس میں علیزے کا تو کوئی قصور نہ [تھا]

اور ویسے بھی اب وہ تایا جان کی فیملی کا حصہ تھی۔ یہ حقیقت تلخ سہی۔ مگر قبول تو کرلی ہے نا۔"

وہ علیزے سے جواباً" اسی گرم جوشی سے ملی۔

"بہت ڈھیٹ لڑکی ہے سارہ آپی! شرم و حیا تو اس میں نام کو نہیں حالانکہ یہاں عید ملنے کے بعد ہم سب نے ماموں کے گھر ہی جانا ہے محترمہ کو انگوٹھی پہنانے' مگر صبح ہی صبح گھر میں ٹپک پڑی۔ ایسا شخص جو گلے کا ہار بن جائے۔ عرف عام میں ڈھیٹ ہی کہلاتا ہے نا سارہ آپی؟" حبیب علیزے کو چھیڑ رہا تھا۔ سارہ کا چہرہ یکلخت سفید پڑا۔

"یہ جھوٹ بول رہا ہے سارہ آپی! پھپھو نے مجھے خود بلوایا ہے۔ صبح صبح سعد بھائی مجھے لینے پہنچ گئے تھے۔" علیزے نے احتجاج کیا تھا۔

"سعد بھائی۔" سارہ نے دل میں دہرایا۔ عادت جاتے جاتے ہی جائے گی۔ آخر بچپن سے وہ اسے بھائی کہتی آئی تھی۔

"میں دادی جان اور تائی جان سے تو مل لوں۔" سارہ کو خود کو کمپوز رکھنے میں دقت ہو رہی تھی۔

"ہاں' آئیں نا' سب آپ کا پوچھ رہے ہیں۔" انعم نے اسے پیار سے دیکھا تھا اور وہاں ڈرائنگ روم میں جانا کب آسان تھا۔ سامنے ہی وہ دشمن جاں بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ مگر پھر دل کڑا کر کے وہ اندر داخل ہوئی اور سب کو اجتماعی سلام کر ڈالا۔

سب سے پہلے جہاں آرا بیگم نے اسے گلے لگا کر بھینچ کر پیار کیا تھا۔

"میں آپ سے ناراض ہوں دادی جان! پتا تھا نا میں اکیلی ہوں' پھر بھی وہاں رہ گئیں۔" ان کے سینے سے چمٹ کر اس نے ہولے سے شکوہ کیا۔

دادی جان نے اسے پیار سے الگ کیا تو قدسیہ نے اسے لپٹا لیا تھا۔ وہی اپنائیت' وہی محبت' قدسیہ ہمیشہ اسے اپنی دوسری بیٹی کہتی تھیں۔ اب وہ ان کی بہو بننے نہ جا رہی تھی تو کیا ہوا بیٹی تو تھی۔ اس نے خود کو سمجھایا تھا۔ پھر تایا جان کے سامنے سر جھکا دیا۔ ہمیشہ کی طرح اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے بے شمار

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

❀ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
❀ نئے بال اگاتا ہے۔
❀ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
❀ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
❀ ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت=/100 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/100 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- =/250 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- =/350 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

دعاؤں سے نوازا تھا۔
ایک غیر ارادی نگاہ تایا جان کے ساتھ بیٹھے سعد پر پڑی۔ اس کی آنکھوں میں چاہتوں کا ایک جہان آباد تھا۔ نظر کا دھوکا۔ سارہ نے خود کو تاویل دی۔ مگر سعد کی حدت بھری پر شوق نگاہیں بار بار اس کے چہرے کا طواف کرتی رہیں۔ سارہ خود کو زیادہ دیر نہ جھٹلا پائی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح اسے بنا کچھ کہے، بہت محبت سے تک رہا تھا۔
"آخر کیوں۔ اب یہ مجھے دیکھنے کا ہر حق کھو بیٹھا ہے۔" سارہ کے اعصاب چٹخنے لگے تھے۔ وہ چپ چاپ جہاں آرا بیگم کے پہلو میں جا بیٹھی۔
"آج کا دن بہت مبارک ہے۔ میں عید کی ان خوشیوں بھری ساعتوں کو کھونا نہیں چاہتی۔ تم لوگ بعد میں بھلے سے بڑے پیمانے پر تقریب منعقد کر لینا۔ دنیا والوں کو اکٹھا کر لینا' لیکن میں تو آج ہی اپنے بچوں کی خوشی مناؤں گی۔" جہاں آرا بیگم نے بیٹوں بہوؤں کو مخاطب کیا تھا۔ سارہ نے الجھ کر انہیں دیکھا۔
"بڑے پیمانے پر تو اماں اب شادی کی تقریب ہی منعقد ہوگی۔ رفیعہ! میں کہے دے رہی ہوں' میں نے بقر عید کے چاند پر شادی کی تاریخ رکھ لینی ہے۔" قدسیہ نے بہت مان سے دیورانی کو مخاطب کیا۔
"بھابھی جان! تیاری کے لیے یہ تو بہت کم عرصہ ہے۔" شمس الحسن کو فکر دامن گیر ہوئی۔ سارہ ٹکر ٹکر سب کی شکلیں دیکھ رہی تھی اور سعد کی متبسم نگاہیں سارہ پر مرکوز تھیں۔
"اگر تیاری سے تمہاری مراد جہیز وغیرہ کی خریداری ہے شمس الحسن! تو یہ خیال تم ذہن سے نکال دو۔ اس بات کو مذاق نہ سمجھنا۔ یہ تمہارے بڑے بھائی کا حکم ہے۔ ہم دونوں بھائی خود کو بہت روشن خیال سمجھتے ہیں۔ ہمیں اس پر عمل بھی کر کے دکھانا ہوگا۔ اس رسم کے خاتمے کی ابتدا اپنے گھر سے کرنی ہوگی۔" وجیہہ الحسن نے دوٹوک انداز میں بھائی کو مخاطب کیا۔
"اچھا بس بھئی' یہ باتیں بعد میں طے ہوتی رہیں گی قدسیہ بیٹی! انگوٹھی نکالو۔" جہاں آرا بیگم نے ان لوگوں کی گفتگو میں مداخلت کی تھی۔
"جی اماں۔" قدسیہ سعادت مندی سے فوراً حکم بجالائیں۔ انہوں نے پرس میں ہاتھ ڈال کر ایک ڈبیا برآمد کی تھی اور ڈبیا جہاں آرا بیگم کے ہاتھ میں تھما دی۔ دادی اور تائی کے درمیان ہونق بنی بیٹھی سارہ اب کچھ کچھ صورت حال کو سمجھنے لگی تھی۔
"ہاتھ دکھاؤ بیٹی۔" جہاں آرا بیگم نے انگوٹھی نکالتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ سارہ کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے برف ہو چکے تھے۔ زندگی میں یہ پہلا تجربہ تھا کہ اچانک ملنے والی خوشی میں بھی حواس ساتھ چھوڑنے لگتے ہیں۔ اس نے میکانکی انداز میں ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔ اگلے ہی پل جڑاؤ انگوٹھی اس کی انگلی کی زینت بن چکی تھی۔ پہلے جہاں آرا بیگم نے پیشانی چوم کر دعا دی تھی۔ پھر قدسیہ نے اسے دوبارہ خود سے لپٹا لیا۔
"چند دن کا جو ذہنی کرب تم نے جھیلا اس کے لیے اپنی تائی کو معاف کر دینا بیٹی۔" انہوں نے سرگوشی کی تھی۔
"بس کریں تائی جان۔" سارہ کی آنکھیں جھلملا گئی تھیں۔
"بھئی۔ اس خوشی کے موقع پر منہ بھی تو میٹھا ہونا چاہیے۔ سارہ بیٹے تمہاری تائی جان مٹھائی کا ٹوکرا بھی ہمراہ لائی ہیں۔ جاؤ پلیٹ میں مٹھائی نکال لاؤ۔" وجیہہ الحسن نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے مخاطب کیا۔
"جی تایا جان۔" سارہ تیزی سے اٹھی۔ سامنے براجمان سعد سب کی موجودگی سے بے نیاز اپنی مخصوص مسکراہٹ چہرے پر سجائے اسی کے چہرے کو مسلسل فوکس کیے ہوئے تھا۔
"جاؤ انعم! تم بھی بہن کا ہاتھ بٹاؤ۔" کمرے سے باہر نکلتی سارہ کے کانوں میں تائی جان کی آواز پڑی تھی۔ کچن میں جانے کے بعد کئی منٹ گزر گئے۔ انعم آکر نہ دی۔ وہ ہی تھی جو ساری گتھی سلجھا سکتی تھی۔
سارہ نے پہلے مٹھائی پلیٹ میں نکالی۔ پھر گلاس اسٹینڈ پر سے گلاس اتار کر ٹرے میں سجائے تھے۔

برف کے کیوبز نکالنے کے لیے فریج کی طرف مڑی ہی تھی کہ پیچھے سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ یہ انعم نہیں تھی۔ جو تھا' سارہ اس کی ہر آہٹ پہچانتی تھی۔ آج جانے کیوں پیچھے مڑ کر اس کا سامنا کرنا دشوار لگا تھا۔ پھر بھی اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ وہ سعد ہی تھا۔

"نہ سلام' نہ دعا' نہ عید کی مبارک' آپ سے اس درجہ بے مروتی کی امید نہ تھی محترمہ۔" سعد مسکراتے ہوئے مخاطب تھا۔ چند پل لگے تھے سارہ کو اپنی شرم' گھبراہٹ اور جھجک پر قابو پانے میں۔ یہ وہی سعد تو تھا۔ پرانا والا۔ اس کا اپنا' اس سے بھلا کیا گھبرانا۔

"السلام علیکم۔ جیتے رہو اور عید مبارک۔" اس نے پوری سنجیدگی سے تینوں کام بیک وقت نپٹا دیے۔ سعد کھل کر مسکرا دیا تھا۔

"امی اور دادی دونوں نے میرے ساتھ فاؤل کھیلا۔ میں نے گھر سے نکلنے سے پہلے دونوں خواتین کو بتا دیا تھا کہ انگوٹھی میں خود پہناؤں گا۔ مگر انگوٹھی دادی نے پہنا دی۔ پیار بھری سازش امی نے کر ڈالی۔ میرا کردار دودھ میں سے مکھی کی طرح باہر نکال پھینکا۔"

"تم سب کے سامنے مجھے انگوٹھی پہناتے۔ شرم کرو سعد! یہ کوئی مناسب بات لگتی۔" اس نے اسے خفگی سے ٹوکا تھا۔

"تو گویا تمہیں اعتراض سب کے سامنے پر ہے۔ مجھ سے انگوٹھی پہننے پر نہیں؟" اس نے سنجیدگی سے گردن ہلاتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا۔ سارہ نے فقط اسے گھورنے پر اکتفا کیا تھا۔

"بہر حال میں آج ہی جیولر کو ایک اور رنگ کا آرڈر دے دیتا ہوں۔ امی کا پکا پروگرام ہے کہ عید قرباں پر میری بھی قربانی کر دی جائے گی۔ پھر تو شرعی اور قانونی طور پر تم میری ہو جاؤ گی۔ انگوٹھی پہناؤں یا کنگن۔ سب کے سامنے پہناؤں یا اکیلے میں۔ تم سمیت کسی کو جب تو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔" وہ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

وہ خود کو مصروف ظاہر کرنے کو جلدی جلدی گلاسوں میں کیوبز ڈالنے لگی۔ سعد نے اس کے کہے بغیر کولڈ ڈرنک گلاسوں میں انڈیلنی شروع کر دی۔ چند لمحے بالکل خاموشی سے کٹے تھے۔

"جانتی ہو سارہ کچھ دنوں پہلے کی بات ہے۔ میں تم سے دستبرداری اختیار کر چکا تھا۔" خاموشی سے کچھ بیتے تھے اور اب وہ واقعی سنجیدہ تھا۔

"جانتی ہوں۔" اس نے اقرار کیا۔

"تمہیں مجھ پر غصہ تو آیا ہو گا۔ دل ہی دل میں مجھے بے وفا کا خطاب بھی دے ڈالا ہو گا۔" وہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے مخاطب ہوا تھا۔

"سعد! تم نے اپنی ماں کا مان رکھا تھا۔ میں تم سے جب ناراض ہوتی' اگر تمہیں جانتی نہ ہوتی۔ مجھے علم تھا کہ ضبط کے کن کڑے مراحل سے گزر کر تم اس فیصلے پر پہنچے ہو۔ میں اسے تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کر چکی تھی۔ مجھے تم سے یا کسی اور سے کوئی گلہ نہ تھا۔" وہ سادگی اور سچائی سے گویا ہوئی تھی۔ سعد بس اسے دیکھتا رہ گیا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔" وہ مسکرائی۔

"تم بہت اچھی ہو سارہ۔ اللہ کی طرف سے ملنے والا میری زندگی کا خوب صورت ترین تحفہ۔"

"ویسے' یہ سب کیسے ہو گیا؟ میرا ذہن ابھی تک اس حقیقت کو قبول نہیں کر رہا۔" سارہ نے بات تو بدل دی' مگر جو کہا وہ بالکل سچ تھا' وہ ابھی تک حیرت پر قابو نہ پا سکی تھی۔

اسی وقت ہی پیچھے سے حسیب آ گیا۔

"بھائی آپ شاید پانی پینے آئے تھے اور سارہ آپی آپ مٹھائی لینے۔"

"سعد بھائی! عید مبارک کہنے میں صرف دو سیکنڈ لگتے ہیں۔" انعم اور علیزے بھی آن پہنچے تھے۔

"سارہ آپی! میں آپ کی ہیلپ کروانے کچن میں آنے لگی تھی کہ بھائی نے میرے قریب سے گزرتے ہوئے سرگوشی کی کہ دو منٹ بعد آنا' میں سارہ کو عید مبارک کہہ آؤں۔" انعم نے شرارت سے سعد اور سارہ کو دیکھا تھا۔ سارہ جھینپ گئی۔

"لڑکی تم بھی سارہ آپی سے کچھ شرم' حیا ادھار لو' کس بے تکلفی سے ہونے والے منگیتر کے ساتھ دم چھلا بنی پھر رہی ہو۔" حسیب نے سارہ کی شرمائی شکل نگاہ ڈالتے ہوئے علیزے کو چھیڑا تھا۔

"یہ کیا چکر ہے' میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم لوگوں نے آنے کے بعد مجھ سے مذاق کیا تھا۔" سارہ کو صورت حال کی سمجھ اب جا کر آئی تھی۔

"ہمارے ملاپ کا سارا کریڈٹ اس چھٹنکی کو جاتا ہے سارہ۔" سعد نے پیار سے علیزے کے سر پر چپت لگائی۔

"سعد بھائی! میرا نام تو مت بگاڑیں۔ آخر میں آپ کی ہونے والی بھاوج ہوں۔" علیزے ٹھنکی تھی۔

"اس بار تو کہہ دیا' مگر خدا کے لیے آئندہ کسی کے سامنے یہ بات مت کرنا۔" حسیب نے اس کے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑے تھے۔ سارہ' انعم اور سعد کا ہنستے ہنستے برا حال تھا۔

"کیوں میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟" وہ ہونق بنی پوچھ رہی تھی۔

"آپ نے کچھ غلط نہیں کہا محترمہ! آپ نے بالکل صحیح وقت پر صحیح بات کی۔ آپ کی جرات پر تو آپ کو ستارہ جرات ملنا چاہیے۔" حسیب اسے پھر چھیڑ رہا تھا۔

انعم ہولے ہولے سارہ کو ساری تفصیل بتا رہی تھی۔

"بس سارہ آپی' ہم سمجھ رہے تھے کہ حسیب آپ کے اور بھائی کی وجہ سے سب سے روٹھا بیٹھا ہے۔ ہماری طرح اس کو بھی آپ کا تعلق ٹوٹنا گوارا نہ تھا۔ بعد میں پتا چلا کہ اس میں تو ان کا اپنا نقصان ہونے جا رہا تھا۔ جب ہی مجنوں بنے گھوم رہے تھے۔" انعم نے شرارت سے بھائی کو چھیڑا تھا۔

"جی نہیں' اگر میرا معاملہ نہ ہوتا تب بھی میرا اصولی موقف وہی ہوتا۔ ہم سعد بھائی کے ساتھ آپ کے علاوہ کسی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔" حسیب نے اپنی پوزیشن واضح کرتے ہوئے سارہ کو مخاطب کیا۔

"اب ہم سب مل کر آفاق ماموں کی طرف جائیں گے۔ علیزے کو بھی منگنی کی انگوٹھی پہنائیں گے۔ بے شک شادی میں ایک طویل عرصہ پڑا ہے۔ مگر رشتہ تو استوار ہو جائے گا۔ اگر بچپن میں ہماری بھی منگنی وغیرہ ہو گئی ہوتی تو یہ کھڑاک پیدا ہی نہ ہوتا۔ سعد نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"کوئی بھی بندھن اتنا مضبوط نہیں ہوتا سعد! یہ سب قسمتوں کے چکر ہیں۔ اللہ کا ہماری ذات پر احسان ہے کہ اس نے ہمارے دل کی خوشی کو ہماری تقدیر کر دیا۔"

سارہ دل ہی دل میں سعد سے گویا ہوئی تھی۔ پھر جلدی سے ٹرے میں مٹھائی کی پلیٹ اور کولڈ ڈرنک کے گلاس لیے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ ابھی اس نے سب بڑوں کا منہ میٹھا کروانا تھا۔ علیزے وغیرہ کی طرف جانے سے پہلے از سر نو اپنی تیاری کا جائزہ لینا تھا اور ہاں... اس سے پہلے اپنے رب کی بارگاہ میں دو نفل شکرانے کے بھی ادا کرنے تھے۔ اسے مانگنے کا سلیقہ نہ آتا تھا۔ اس نے خود کو رب کی رضا کے سپرد کر دیا تھا اور اس مہربان ذات نے اس کا دامن خوشیوں سے بھر دیا تھا۔ شکرانہ تو واجب تھا۔

☆

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
کوئی ایسا اہل دل ہو
نبیلہ عزیز
قیمت --- -/250 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37- اردو بازار، کراچی۔